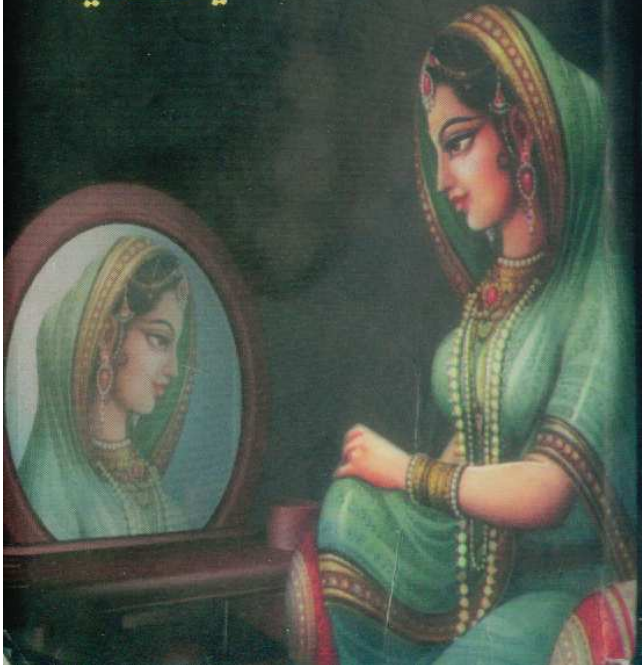


# آئینوں کے اپنے دکھ

یوسف خورشید



یوسف خورشید کی شاعری

سید محمد حسین

7232336 7352332 34  
E-Mail: [ilmofanpublisher@hotmail.com](mailto:ilmofanpublisher@hotmail.com)

سیدنا خلیفہ اولیؑ

اسفورد

1  
11  
4 root

lecturer\_isl@yahoo.com عبد الحئی عابد

lecturer isl@yahoo.com عبدالحی عابد

# آئینوں کے اپنے دکھ

یوسف خورشید

علم و فن پبلشرز

34 اردو بازار، لاہور۔ فون: 7232336-7352332  
E-Mail: ilmairanpublishers@hotmail.com

## انتساب

آداب و تسلیمات کے ساتھ!

والد محترم جناب چوہدری مولانا بخش گوئندل (مرحوم)

چھوٹے بھائی چوہدری فرخ محمود گوئندل (مرحوم)

اور

محترمہ والدہ صاحبہ کے نام

جن کی دعاؤں کے سہارے زندہ ہوں

جملہ حقوق محفوظ ہیں۔

نام کتاب	_____	آئینوں کے اپنے دکھ
شاعر	_____	یوسف خورشید
طابع	_____	علم و فن پبلشرز، لاہور
پرنٹر	_____	جوہر جمالیہ پرنٹرز، لاہور
کیوزنگ	_____	بسم اللہ گرافکس، ملنگ چوکی لاہور
تعداد	_____	۱۱۰۰
اشاعت اول	_____	اکتوبر ۲۰۰۲ء
قیمت	_____	120/- روپے



## فہرست

- ☆ کچھ اپنے بارے میں  
☆ یوسف خورشید..... خورشید عالم گوہر قلم  
۱- اسی کی آنکھوں میں پیار کم ہے  
۲- مری آنکھوں میں کھو کر رہ گیا ہے  
۳- مجھے اس کے بنا رہنا نہیں ہے  
۴- اپنے وجود سے کبھی باہر نکل کے آ  
۵- خوف (نظم)  
۶- ناکامی (نظم)  
۷- مجبوری (نظم)  
۸- برف لوگوں نے جو ہاتھوں پہ اٹھائے سورج  
۹- اس سے رشتہ ہے مگر بس نام کا  
۱۰- محبت کی نشانی دے گیا ہے

- ۱۱- اس سے پہلے کہ وہ چلا جائے  
۱۲- خدشہ (نظم)  
۱۳- حقیقت منہ چھپائے بھاگتی ہے  
۱۴- پھر کوئی جھوٹی تسلی دے کے بہلاؤ مجھے  
۱۵- غور سے پل بھر دیکھا اس کو  
۱۶- منزل کے ساتھ ساتھ وہی راستے بھی ہوں  
۱۷- سفارش (نظم)  
۱۸- اب تو وہ بھی کھو یا کھویا رہتا ہے  
۱۹- صرف اس کو دیکھنے کی آرزو  
۲۰- تہائیوں میں شام کے منظر تراشنا  
۲۱- کٹ گئے مجھ سے مرے چاند ستارے لوگو  
۲۲- مجھے بھول جا (نظم)  
۲۳- میں ترا انتظار کرتا ہوں  
۲۴- دیمک بن کر چاٹ رہا ہے دل کو اک انجانہ خوف  
۲۵- کچھ برسوں سے عید پریشاں کرتی ہے  
۲۶- منزل نہ کوئی دوستورشتہ دکھائی دے  
۲۷- اندھے رستے (نظم)  
۲۸- اس کی نفرت تو جنم دیتی رہی صدمات کو  
۲۹- ساری دنیا سے چھپ چھپا کے آ  
۳۰- میں کتنا مطمئن بیٹھا ہوا تھا  
۳۱- اے کیوں روکنا جانے سے پہلے  
۳۲- آنسو (نظم)

- ۳۳- فاصلوں سے چھین لوں گا منزلوں کی خواہشیں  
۳۴- نرم ہنسی پہ فاختہ کا گھر  
۳۵- تم جو رات گئے تک بیٹھے رہتے ہو  
۳۶- سناٹوں کا شور مجھے پھر ڈستا ہے  
۳۷- عید کا چاند  
۳۸- سارا دن وہ کیوں نہ آیا اس سے پوچھا جاسکتا ہے  
۳۹- میرے گھر بھی اترے چاند  
۴۰- نفرتوں کو بھول جانا چاہیے  
۴۱- آوازوں کے جنگل میں چپ رہنے دے  
۴۲- ٹیپرچر (نظم)  
۴۳- جبکہ اس کے شہر کے اندر کعبہ ہے  
۴۴- کتنی خود غرضی سے اس نے مجھ کو تنہا کر دیا  
۴۵- پیٹھ کر دوتا ہوں میں گزرے سہانے وقت کو  
۴۶- دیکھو تو انتظار کا موسم نہیں رہا  
۴۷- تھک نہ جانا (نظم)  
۴۸- تھکا آ نکھیں تو ہیں سناں آنسو  
۴۹- دل کے نگاروں کو قہقہے پہ سجالیتے تھے  
۵۰- میں اور اپنی موت سے کھیلوں تم کو اچھا لگتا ہے  
۵۱- میں تجھ سے انتقام بھی لوں گا تو اس طرح  
۵۲- اس کے دل میں جو بدگمانی ہے  
۵۳- تیری یادیں سونا گھر ہے اور میں  
۵۴- دیکھا اس کے خط کا اک اک لفظ نرالا ہوتا ہے

- ۵۵- نمایاں فرق (نظم)  
۵۶- بھولی بھالی خواہش اس کی بھولی بھالی مجبوری  
۵۷- اب اسے پانے کی خواہش مرچکی ہے دوستو  
۵۸- میں جس کا ہو گیا تھا وہ میرا نہیں رہا  
۵۹- منزلوں تک رسائی ناممکن  
۶۰- وہ روشن چوہا رہے گھیاں تیرا گھر  
۶۱- میں جس دن زسے تمہارا ہو گیا ہوں  
۶۲- اسے پتہ ہے (نظم)  
۶۳- ابھی سوں کا اک اوجھل چکر کرنا ہے  
۶۴- مرے کرے کی چھت میں ایک چڑیا  
۶۵- اسے تو یہ بھی پتہ نہیں ہے (نظم)  
۶۶- اس کو دیکھے ہوئے زمانہ ہوا  
۶۷- چھا گئی چھت بہار کی رات ہے  
۶۸- پاگل لڑکی (نظم)  
۶۹- بازی جیت کے ہاری میں نے  
۷۰- کبھی لوٹنا تو یہ دیکھنا (نظم)  
۷۱- حامل دانش و دیں فکر منور صغندر  
۷۲- وہ گیا تو ہے طبیعت میں گرانی شام کو  
۷۳- سات پردوں میں چھپا کر دیکھنا

## کچھ اپنے بارے میں

شعر کہنے کا فن میں نہیں جانتا مگر سینے کے اندر دھڑکنے والے دل کی جب کہیں تیز ہوتی ہیں تو ایک شور سا اٹھتا ہے اور جب وہ شور اک صدا کا روپ دھار لیتا ہے تو میں اس صدا کو الفاظ میں قید کرنے کی سعی کرتا ہوں۔ کالج کے زمانہ سے لے کر آج تک جتنی صدائیں قید کی ہیں وہ آپ کی عدالت میں پیش کر رہا ہوں جو بھی فیصلہ آپ کریں گے، سر تسلیم خم ہوگا۔

کسی کی آنکھوں کے دیکھے جانے والے خواب جب چلتا پھرتے ہوئے تو ذہنی دل سے رسنے والا خون میری آنکھوں سے بہہ نکلتا تو پھر آنکھیں بے نور ہو گئیں آنکھوں میں ویرانی کے سوا کچھ بھی تو نہیں بچا آنکھوں کی ویرانی کا مشاہدہ جب اپنے آگے سے کیا تو دونوں کا تعلق ایک ہی قبیلے سے نکلا پھر یہ فیصلہ کیا کہ آپ کو اپنے بکھوں میں شریک کروں تاکہ میرا بوجھ ہلکا ہو سکے ابھی اس فیصلے پر عملدرآمد نہیں ہوا تھا کہ قدرت نے میرے اکلوتے جواں سال بھائی عزیزم فرخ محمود گوندل کو مجھ سے جھین لیا۔ فرخ کی موت نے مجھے ہار دیا اب میں خود ٹوٹ چکا تھا مجھ سے اپنے کلے اکٹھے نہیں ہو پا رہے تھے کہ خورشید عالم گوہر قلم، فہیم الحق گوندل، فاروق احمد، شفقت رشید اور پروفیسر عبداللہ عابد جیسے محسنوں نے زندگی کی ڈھارس بندھائی اور پھر مجھے اپنے اندر زندگی ددنی ہوئی محسوس ہوئی اور ایک بار پھر نکھرے ہوئے کاغذ اور ڈائریاں اکٹھی کیں اور محترم شعیب احمد (رہبرج) افسر عجب گہرا ہور (سے مشورہ کیا چونکہ ابتدائی اصلاح بھی پروفیسر ڈاکٹر محسن نظامی اور شعیب احمد ہی سے لی تھی۔ محسن نظامی صاحب فرماتے ہیں کہ وہ جو کام بھی شعیب احمد کے ذمہ لگا دیتے ہیں پھر انہیں پورا یقین ہو جاتا ہے کہ اب یہ کام خود انہی کو کرنا ہے مگر جب ہے کہ میرے ساتھ یہ واقعہ پورا نہیں بلکہ آدھا ہوا اور آدھا خود محسن نظامی صاحب نے کیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر پروفیسر مصدق علی چوہدری صاحب نہ ہوتے تو میں آج ان پڑھ ہوتا۔ پہلی جماعت سے لے کر بارہوی تک محترم پروفیسر مصدق علی چوہدری صاحب نے اپنے گھر میں بیٹوں کی طرح میری تربیت کی۔ ایف اے سے بی اے تک میں گورنمنٹ کالج جوہر آباد ضلع خوشاب میں زیر تعلیم رہا کالج پانڈاس پروفیسر سید فاضل شاہ اور پروفیسر ربیع مظفر حسن منصور نے ادبی سرگرمیوں میں میری رہنمائی فرمائی۔ کالج کی اردو مجلس میں دو سال جنرل نیکر فری اور ایک سال بحیثیت صدر فرائض انجام دیے۔ کالج کے آخری سال ۱۹۸۷ء میں

ادبی خدمات کے صلہ میں اسلاک کچلر کونسل پاکستان کی طرف سے گولڈ میڈل اور خصوصی ادبی ایوارڈ ملا۔ علمی ادبی اور ثقافتی تنظیم انجمن روضہ پاکستان سرگودھا ڈویژن کے صدر کی حیثیت سے کئی سالوں سے کام کر رہا ہوں۔ بزم فکر و فن خوشاب سے میں نے بہت کچھ سیکھا۔ خوشاب کے شہنشاہ اختر افغانی، فاروق گوہی، راجہ گل حسن بدر، راجہ اطہر حسن ندیم، ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ، ذوالفقار شہسی جیسے صاحب فن لوگوں کی قربت نے میرا شعری ذوق اجاگر کیا۔ یوسف ساجد ملازم حسین عابد اسحاق ندیم، یوسف آزاد، جاوید اعوان، احمد شیر ناگ، مہدی حسن شاہ اور ملک محمد رفیق لنگر وال اور فیاض زرگر کا میں بے حد ممنون و مشکور ہوں۔ اہل خوشاب نے مجھے ہمت دی، حوصلہ دیا، محبت دی پیار دیا، مجھے یقین ہے کہ یہ شعر میں نے خوشاب ہی کے لیے کہا تھا۔

موت اس کے ہی شہر میں آئے  
میرے حق میں یہی دعا کرنا  
اور یہ شعر بھی خوشاب کے لیے ہی ہے۔  
جی مچلتا ہے لوٹ آؤں پھر  
شہر خوش آب تو بھی کیا شے ہے  
خوشاب کے لیے اگر یہ کہوں کہ:  
میں تجھے اور کچھ بھی تو دے نہیں سکتا  
عمر ترے نام اسباب کر دی ہے  
تو پھر بھی شاید اس کا حق ادا نہ کر سکوں۔

یہاں محترم عطاء اللہ علی خیلوی کا شکر ہے کہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ میں نے ان کی گائیگی سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ ان کی گائیگی کا درد میری شاعری میں آپ کو محسوس ہوگا۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ جب میں زندگی سے مایوس ہو کر موت کو لگا لیتا تھا تھا تو اس وقت ملک کے نامور مصنف ڈرامہ نگار ادیب کالم نگار اور خطاط عالم اسلام جناب خورشید عالم گوہر قلم نے مجھے گلے لگا لیا۔ اپنے ساتھ لاہور لے گئے اور میرے ہاتھ میں ایک بار پھر قلم تھما دیا وہاں میں نے محترم امین بٹ صاحب کے ہفت روزہ اخبار ”رقار جہاں“ سے کالم نگاری شروع کی۔ پھر سرگودھا آیا جہاں محترم فہیم اختر خان چیف

شاہپوری، ریاض ساجد ہوں یا ظہیر الدین ظہیر یا آصف داز۔ یہ سبھی وہ لوگ ہیں جن کا میں احترام کرتا ہوں۔ ان لوگوں کا بالکل شکر ہے ادا نہیں کرنا چاہتا تھا مگر مجھ پر یہ تھی کہ ان کے ذکر کے بغیر دیاچہ مکمل نہ ہو پاتا۔ اور پروفیسر ہارون الرشید محترم صاحب میرے استاد ہیں۔ میں نے ان سے نہ صرف پڑھا، بلکہ بہت کچھ سیکھا بھی ہے۔

شعری دنیا کے علاوہ بھی ایک زندگی ہوتی ہے جو جی ہوتی ہے اور میری جی زندگی ہمیشہ مشکلات اور مسائل کا شکار رہی مگر پھر بھی خدا کا شکر گزار ہوں کہ جس نے مجھے بہت سے محسن دیے۔ والد محترم جناب چوہدری بولا بخش گوندل (مرحوم) کی وفات کے بعد میں سمجھا تھا کہ شاید اب سنبھل نہ سکوں مگر چچا جان چوہدری اللہ بخش صاحب نے والد کی کمی کو بہت حد تک پورا کیا۔ کوٹ امیر ضلع سرگودھا سے حاجی احمد حسین خان بلوچ سیال شریف سے صاحبزادہ غلام نصیر الدین سیالوی (مرحوم) صاحبزادہ محمد فیاض الدین سیالوی اور کاغذ بیل سے ملک سکندر حیات نسواں تب یہ وہ ہستیاں ہیں جن کا احترام مجھ پر واجب ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے مجھے کبھی بھی یہ احساس تک نہیں ہونے دیا کہ میں تنہا ہوں۔ میری دعا ہے کہ ان کا دست شفقت ہمیشہ میرے سر پر قائم رہے۔ ناٹا جان محترم محمد امین صاحب اور چچا عبداللہ علی کا شکر یہ بھی ضروری ہے۔ کتاب طباعت کے آخری مرحلے میں تھی کہ مجھے شدید ہارٹ ایک ہوا۔ زندہ بچنے کی امید بہت کم تھی مگر جب خدا کی ذات زندگی عطا کرنے کا ارادہ فرمائے تو پھر ڈاکٹر شاہ اللہ شاہ اور ڈاکٹر محمد اقبال کوکھر جیسے محسن لایا کرتے ہیں جن کی دوا اور دعا سے صحت لوٹ آتی ہے۔

جناب محترم میں نے اپنے جذبات آپ تک پہنچا دیے ہیں۔ میں کہاں تک کامیاب رہا۔ یہ آپ کتاب پڑھ کر بتا سکتے ہیں۔ یقیناً بہت سی غلطیاں ہوں گی مگر امید ہے میری پہلی کاوش سمجھ کر درگزر فرمائیں گے۔ آپ یہ کتاب پڑھ کر اپنی جتنی آراء سے ضرور نوازیں۔

آپ کا اپنا

یوسف خورشید

بمقام شریفہ ڈاکٹر و جے ضلع سرگودھا

Yousuf\_Khurshid@Yahoo  
Yousuf\_Khurshid@hotmail.com

ایڈیٹر روزنامہ ضرورت، خرمیہ اور چیف ایڈیٹر روزنامہ شام سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے کمال مہربانی سے اپنے اخبارات کے صفحات میرے لیے وقف کر دیے اور میں مستقل کالم لکھتا رہا جو جنوز جاری ہیں۔ میں فیض اختر خان صاحب کا نہایت مشکور ہوں۔

یہ کتاب خورشید عالم گوہر قلم اور محترم مولیٰ حسن شیخ کی محنت سے آج آپ کے ہاتھ میں ہے، خود خورشید عالم گوہر قلم کے لکھے یہ کتاب کبھی مکمل نہ ہوئی۔ جناب سید آفتاب احمد شاہ صاحب اور سرور اللہ خان نصر مکن کا بے حد مشکور ہوں کہ انہوں نے کتاب میں معاونت فرمائی۔ مجھے انتہائی دکھ ہے کہ محترم سیاح الدین تلو (مرحوم) جو میری کتاب کے چھپنے کے سب سے زیادہ خواہشمند تھے مگر وہ کتاب اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ سکے۔ خدا ان کی مغفرت کرے۔ (آمین)

میاں محمد ظریف انجم، طارق محمود جوہی اور اسد اعوان کا ذکر نہ کرنا ایسا ہی ہے جیسے میں نے آج تک کوئی شعر نہیں کہا۔ یہ تینوں دوست شروع سے آج تک غزل کے قائلے کی طرح میرے ساتھ شعری سفر میں چپکے رہے۔ کتاب کی ترتیب سے لے کر طباعت تک میری رہنمائی فرمائی۔ انتساب اگر محترم گل فراز احمد کے غلوں کے نام کیا جائے تو بھی شاید حق ادا نہ ہو سکے جس محبت اور لگن سے گل فراز احمد صاحب نے اس کتاب کا مسودہ اپنے ہاتھ لیا اور اس کی طباعت کی۔ وہ ان کی مجھ سے اور ادب سے محبت کا واضح ثبوت ہے، لہذا ان کا شکر یہ ادا کرنا مجھ پر واجب ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ کمپوزنگ کے بغیر کتاب مکمل نہیں ہوتی۔ یہ اہم ترین کام عزیزان محترم ناصر محمود رضا اور چوہدری شوکت علی نے انجام دیا۔ میں ان دونوں کا اس محبت اور لگن پر انہیں مبارکباد کے ساتھ شکر ہے اور ان کی ضروری سمجھتا ہوں کیونکہ انہوں نے بارش کے پہلے قطرے کا کام کیا ہے اس کے علاوہ جن دوستوں نے میرے ساتھ تعاون کیا۔ ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ جناب رفاقت محمود گوندل، عزیزم محمد ریاض ساجد، ناصر پرنس، ضیاء الدین، سہیل احمد گوندل، کلیل انصاری، محمد اسلم انصاری، ملک محمد حنیف منور، جناب ناصر محمود بلوچ، میجر احمد محمود بلوچ، خالد محمود سیال، ملتان، حاجی مظفر علی خان بلوچ، عبدالرسول، حیات، بھٹی، حکیم جاوید طاہر، صابر اعوان، براؤن اسلم فراز، بلطیب خان، بھٹوال، اصف شامی، عظیم احمد، ولایت احمد فاروقی، چوہدری افتخار گوندل، چوہدری حسین احمد گوندل اور برادر م طفیل احمد گوندل جو ہمیشہ میرے ساتھ شعری سفر میں شامل رہے، ان کا شکر یہ لازم ہے۔ منڈی بہاء الدین کے م ت ڈی ہوں یا فاروقہ کے اقبال ندیم، ہرگودھا کے اخلاق عاطف ہوں یا پروانہ



## یوسف خورشید..... خورشید عالم گوہر قلم

(صدارتی تمغہ حسن کارکردگی)

علم، ادب اور فن خواہ کوئی بھی ہو یہ کبھی کسی کی میراث نہیں رہے اور کوئی بھی فرد نہ ہی یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ ان عنوانات میں سے کسی ایک پر بھی اس کی اجارہ داری قائم ہے قدرت کا اپنا ایک ایسا نظام ہے کہ انسانی عقل کبھی بھی اس کے بارے میں کوئی حتمی رائے قائم نہیں کر سکتی۔ عام طور پر یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ ایک گھرانہ بالکل جاہل ان پڑھ اور گنوار ہوتا ہے لیکن اس گھر میں سائنسدان، اہل علم، اہل بصیرت اور اہل فن پیدا ہو جاتے ہیں اور یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ ایک عزت و توقیر اور علم والے گھر میں جاہل، بھڑم، کند ذہن اور منتشر ذہن پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہ خالق کی اپنی عطا ہے کہ وہ جس پر اپنا کرم کرے اور نواز دے اور جس کو چاہے کھڑکرم کر دے کوئی بھی شخص یہ اعتراض کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہے کہ ایسا کیوں ہوا اور انسانوں کی کردہ بندگی جو ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے ہوتی ہے ایک لا حاصل کوشش اور وقت کے خیاب کے سوا کوئی دوسرا پہلو اس میں نظر نہیں آتا کیونکہ قدرت کے نظام سے نکل لینا کسی بھی انسان کے بس میں نہیں ہوتا میں نے اپنے ذاتی تجربے اور مشاہدے میں دیکھا کہ بڑے بڑے شہروں میں موجود بڑے بڑے نام قدرت کی عطا ہے چاہے میں وردہ اگر وہ سوچیں کہ بے شمار لوگوں میں صرف وہی کیوں مشہور ہیں تو انہیں معلوم ہوگا اور احساس ہوگا کہ ان کے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔ ہاں صرف اور صرف اللہ کے کرم کے باعث وسائل میسر آتے گئے اور اپنی اپنی سمتوں میں وہ نامور ہوتے چلے گئے۔ ان کے نامور ہونے یا نہ ہونے سے قدرت کے نظام میں نہ کوئی تبدیلی آتی ہے اور نہ کوئی غلط واقعہ ہوتا ہے اور آخر میں انسان اپنے قد و قامت میں یہی دیکھتا ہے کہ وہ کل بھی خالی ہاتھ تھا اور آج بھی خالی ہاتھ ہے اور وہی نظر نہ آنے والا دست کرم اس وقت بھی اس کا مددگار تھا اور آج بھی جب یہ بات طے ہوگئی تو بحث ہی سرے سے ختم ہوگئی کہ کون چھوٹا ہے اور کون بڑا۔ بس زندگی کا دھارا رواں دواں ہے اور کوئی نہیں کر سکتا کہ فلاں اپنے میں علم میں یا ادب میں حتمی حیثیت رکھتا تھا بالکل دریا کی طرح کہ

ہر سال آنے والی طغیانی میں سیلاب کے ریلوں میں شدت، خوف اور فطری بہاؤ وہی ہوتا ہے کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ایک ہزار سال پہلے طغیانی کی شدت اس سے زیادہ تھی یا کم یا آئندہ ایک ہزار سال بعد آنے والی طغیانی میں شدت کم ہوگی یا زیادہ۔

اب اس تفصیل کے بعد میرا موضوع یوسف خورشید ہے ہم یہ بھی کہنے کی پوزیشن میں نہیں کہ مرزا غالب، میر تقی میر، میر درد اور میر انیس کے جذبہ میں شدت زیادہ تھی اور یوسف خورشید میں کم ہے یا یوسف خورشید میں زیادہ ہے اور ان میں کم تھی۔ سب اپنے اپنے جذبات کو الفاظ کے مخصوص بندھن میں ادا کرتے رہے کسی کی بات کسی دوسرے کی سمجھ میں آگئی تو اس نے اسے اپنا ترجمان کہہ لیا اور کسی کو وہ بات قائل نہ کر سکی تو اس نے اسے قائل توجہ نہ سمجھا مگر بڑے اور چھوٹے کی تفریق کے بغیر جذبول کی شدت اور ادائیگی کے انداز میں اپنا اپنا رنگ موجود ہے ماضی بعید کے شعراء ہوں یا ماضی قریب کے حال کے شعراء ہوں یا مستقبل کے، کسی کے بارے میں مجموعی حتمی رائے دینے کے لیے مخلوقات میں سے کوئی مستند پوزیشن میں نہیں اور کسی ایک کو پسندیدگی کی نظروں سے دیکھ کر دوسروں کی کاوش، جذبات اور محسوسات کو تسلیم نہ کرنا بھی ایک طرح سے جرم ہے۔ اگر کوئی گلاب کو پسند کرے تو کوئی جب نہیں کہہ دے موتیا کی خوشبو کو تسلیم کرنے سے انکار کر دے اور اگر کوئی موتیا کو پسند کرتا ہو تو گلاب کی اہمیت کا انکار بھی جرم ہے یہ اپنے اپنے رنگ، اپنے اپنے انداز، اپنے اپنے صوتی و بھالیائی رخ ہیں۔

شعراء کی سر زمین سے جنم لینے والا یوسف خورشید بغیر کسی سرپرستی اور حوصلہ افزائی کے شاعر بن گیا بالکل اسی طرح جیسے ریگستان میں کوئی پھول بغیر پانی اور جملہ آسائشوں کے دن کی شدت ترین گرمی اور رات کی سخت سردی کو برداشت کرتے کرتے بالآخر قوت ارادی اور خدا داد صلاحیتوں سے مکمل اٹھتا ہے اور ریگستان میں زندگی کا احساس اچا کر ہو جاتا ہے۔ یوسف خورشید نے سنگار سر زمین سے دشمنی دل و نگاہ کے ساتھ جس خوبصورت نقد و زہاب کا خواب دیکھا۔ جنگ یہ اس کے دل کی دنیا میں ایک کھلے ہوئے تصوراتی بارش کا عکس ٹھہرے ہیں۔ جمال و رعنائی کے مظاہر جہاں ایک طرف انسان کے ارد گرد جا بجا نظر آتے ہیں تو وہاں دوسری طرف انسان کے دل و دماغ میں بھی ایک تصوراتی دنیا آباد ہوتی

ہے جس کو کوئی دوسرا نہیں دیکھ نہیں سکتا صاحب تجھیں خود ہی اس کی سر کرتا رہتا ہے اور باطن کی یہ سر ظاہری نگہبان کی سر سے زیادہ قوی اور خوبصورت ہوتی ہے اور یوسف خورشید نے ظاہر بین نظروں سے بچ کر اپنے باطن میں ایک ایسی ہی دنیا آباد کی ہے جس میں وہ اپنے تصوراتی محبوب کو میراں بھی دیکھتا ہے اور بعض دفعہ اس کی بے وفائی سے چیخا بھی ہے لیکن یہ وفاداری اور بے وفائی کا کلی نمونہ وہ دیگر تخیلاتی عناصر کی طرح ظاہر میں تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اسے جب ایک تراشیدہ محبوب اور اس کی ادائیں اپنے ارد گرد نظر نہیں آتیں تو وہ چیختا ہے، چلاتا ہے، بے تاب دل کے ساتھ خود سے الجھتا ہے اور اس عالم وحشت میں وہ قلم لے کر شکستہ دل کے ساتھ تیز رفتار اور شور شرابے کے ساتھ رواں ندی کی طرح غزل پر غزل لکھتے چلا جاتا ہے اور خود ایک تصوراتی ہیر کے ارد گرد پھر لگتا شروع کر دیتا ہے اور یوں گویا ہوتا ہے۔

میں بھی رانجے کی طرح نیلے میں کاٹوں زندگی

پھر کسی وارث کے ہاتھوں میر لکھی جائے گی

یوسف خورشید وفا شعاری کا ایک نیا باب لکھنے کے ساتھ ساتھ ایک وارث شاہ کا بھی متلاشی ہے کہ جو اس کی قلبی وارداتوں اور ذہنی لمحوں کو ایک نئی ہیر وارث شاہ میں ترتیب دے اور جب اسے یہ احساس ہوتا ہے کہ شاید اب ایسا ہونا ممکن نہیں تو وہ حالات کو ایک بدلے ہوئے تیز سے دیکھتا ہے اسے بہت جلد اندازہ ہو جاتا ہے کہ باطن کا عکس عالم ظاہری میں تلاش کرنا ممکن نہیں ہے تو پھر اپنی بے بسی کا فوہ کرتا ہے اور سب کے سامنے اپنی ناکامی کا اعتراف کرتے ہوئے مشہور دیتا ہے۔

چتر کا روپ دھار کے رہ جائے گا جہاں

آنکھیں نہ پھر کسی کی بھی سندر تراشا

یوسف خورشید زندگی کا ایک ایسا دور ہے کہ جس سے کسی طور انکار نہیں ہو سکتا۔ اس نے زندگی میں جو خفیاں برداشت کی ہیں، وہ شاید اس کی تربیت کے لیے ضروری تھیں کیونکہ ریگستان میں کھلنے والا پھول بہر حال دوسرے پھولوں کی نسبت زیادہ حسین کا مستحق ہوتا ہے۔ یوسف خورشید کا رواں انداز، سادگی کے ساتھ بے پناہ جذبے کا اظہار اور بناوٹ

کے بغیر حقیقت کا اعتراف اس کی شاعری کے نمایاں پہلو ہیں۔ کالج کے دور سے لے کر آج تک بیاض اس کی کمزوری رہی ہے اس نے داد و تحسین سے بے نیاز ہو کر ہر مقام پر درود دل کو عیاں کیا ہے اور یوسف خورشید کی واہ کا طلبگار نہیں ہے اور اپنے ان دیکھے محبوب کو حاصل کرنے کے لیے بے تابانہ دوڑتا جا رہا ہے جس کا اظہار اس نے یوں کیا ہے۔

میں تجھے اور کچھ بھی تو دے نہیں سکتا

عمر ترے نام انتساب کر دی ہے

ہو سکتا ہے کہ یوسف خورشید کے دل کی آواز پہلے مجموعہ کلام ”آئینوں کے اپنے دکھ“ کے ذریعے آپ کو بھی بہت کچھ کہہ ڈالے۔ میری دعا ہے صبح کی ہوا جس طرح پھولوں کی ہر شاخ کو ڈھکی کر کے پھول اگاتی ہے یوسف خورشید کا درد بھی قائم رہے اور یہ خوبصورت شعر بننے لگیں۔

خورشید عالم گوہر قلم

لاہور

### یوسف خورشید بحیثیت شاعر

یوسف خورشید کی شاعری بے کراں کرب اور احساس رنج کے ساتھ ساتھ لامحدود سوچوں کا سمندر ہے اکثر خامشی کے منہ حار میں گھرا رہتا ہے جب کلام کرے تو غزل اور نظم نفا کی وسعتوں میں چھڑی کو بج کے درد سے مشابہت رکھتی ہیں۔ یہ تسلیم کرنا کسر بیانی نہ ہوگا کہ اس نے ”آئینوں کے اپنے دکھ“ میں اپنے دکھ کو آئینوں میں دکھا کر حقیقت رس جذبات کی کوزہ گری کی ہے۔

وہ گیا تو ہے طبیعت میں گرانی شام کو

بھجج دیتا تھا وہ اکثر اک نشانی شام کو

تم تو رسوا ہو گئے پر پیار تو زندہ رہا

لوگ چوپالوں پہ کرتے ہیں کہانی شام کو

سر دار نصر اللہ خان نعر

ہمیں کہاں اس کی آنکھ پر دسترس رہی ہے  
 ہمارے اندر کہاں یہ دم ہے یہی تو غم ہے  
 اسی نے کل بھی مجھے سزاوار لکھ دیا تھا  
 اسی کے ہاتھوں میں پھر قلم ہے یہی تو غم ہے  
 عشق و مستی میں نام جو معتبر ہوا تھا  
 سر بھی یوسف اسی کا خم ہے یہی تو غم ہے



اسی کی آنکھوں میں پیار کم ہے یہی تو غم ہے  
 وہی پریشاں ہے آنکھ نم ہے یہی تو غم ہے  
 وہی تو ہے جس نے درد بیچے ہیں آنکھوں کو  
 کمال یہ ہے وہ محترم ہے یہی تو غم ہے

مجھے اس کے بنا رہنا نہیں ہے  
 مگر اس سے ابھی کہنا نہیں ہے  
 اسے جو بار تحفے میں دیا تھا  
 نہ جانے اس نے کیوں پہنا نہیں ہے  
 بھلا رونا بھی کوئی مشغلہ ہے  
 غم دل آنکھ سے بہنا نہیں ہے  
 یہاں بیگانگی ہوتی ہے مجھ کو  
 مجھے اپنے ہی گھر رہنا نہیں ہے



مری آنکھوں میں کھو کر رہ گیا ہے  
 مرے اندر کا ہو کر رہ گیا ہے  
 جو اک ٹھوکر پہ رکھتا تھا جہاں کو  
 ترے پاؤں کی ٹھوکر رہ گیا ہے  
 زمانے بھر کو خوشیاں بانٹتا تھا  
 وہ اشکوں کو پرو کر رہ گیا ہے  
 مری آنکھوں میں جو دریا چڑھا ہے  
 مرے گھر کو ڈبو کر رہ گیا ہے  
 سبھی کی آنکھ کا تارا تھا یوسف  
 تجھی کا آج ہو کر رہ گیا ہے



اپنے وجود سے کبھی باہر نکل کے آ  
 باہر کو آ رہا ہے تو تھوڑا سنبھل کے آ  
 کتنا سکوت چھانے لگا کائنات پر  
 چپ کا لباس آج تو اے جاں بدل کے آ  
 نفرت کا طوق پھینکنا ہے اب اتار کر  
 آنا ہے پھر تو پیار کے سانچے میں ڈھل کے آ  
 آسان راستوں سے تو منزل نہ مل سکی  
 دشوار جو لگیں انہی رستوں پہ چل کے آ  
 سورج بھی ایک عمر سے جلتا ہے دھوپ میں  
 اے چاند تو بھی چاندنی کی لومیں جل کے آ

## ﴿خوف﴾

اک طوطے کے نر اور مادہ دونوں بچے  
 بوڑھے آم کی بل کے اندر  
 تنہا بیٹھے  
 جانے کیا کچھ سوچ رہے تھے  
 اک انجانا خوف تھا جو کہ  
 ان کے دل کو اندر اندر  
 دیمک بن کر  
 چاٹ رہا تھا  
 آنے والی قید سے پہلے

## ﴿ناکامی﴾

میں نے آسائشوں کا  
 گلا گھونٹ کر  
 اپنی بے بس  
 محبت کا خوں کر دیا  
 صرف تیرے لیے

## ﴿مجبوری﴾

مجھے  
 لکھنا نہیں آتا  
 اے  
 پڑھنا نہیں آتا





برف لوگوں نے جو ہاتھوں پہ اٹھائے سورج  
 پھر بہت دور سمندر نے چھپائے سورج  
 اس نے اک بار کیا تھا جو اندھیروں کا گلا  
 ہم نے تا عمر پھر آنگن میں اگائے سورج  
 لوگ کہتے ہیں کہ تب جس بہت ہوتا ہے  
 جب بھی ساحل پہ سرشام نہائے سورج  
 ہم کو پھر بھول گئے اپنے ہی گھر کے رستے  
 جب سے اس چاند نے آنکھوں میں سجائے سورج  
 صفحہ خاک پہ کل میں نے اندھیرا لکھا  
 اس نے پھر میری ہتھیلی پہ بنائے سورج



اس سے رشتہ ہے مگر بس نام کا  
 اس طرح کا رابطہ کس کام کا  
 یہ پرندے لوٹتے ہیں کس طرح  
 تم نے کب دیکھا ہے منظر شام کا

بچپن میں اس نے اک وعدہ کیا  
 آج بھی ہوں منتظر پیغام کا  
 آ خریداروں کی بستی کو چلیں  
 وقت آ پہنچا مرے نیلام کا  
 اس کو محلوں کی ہوا راس آ گئی  
 اس کو اندازہ کہاں آلام کا  
 چونک اٹھا تھا میں کسی آواز سے  
 اک تصور ذہن میں تھا بام کا  
 آج بھی وہ پیار سے یوسف کہے  
 رقص دیکھو میکدے میں جام کا



محبت کی نشانی دے گیا ہے  
 وہ اشکوں کو روانی دے گیا ہے  
 مری اس مختصر سی زندگی کو  
 بہت لمبی کہانی دے گیا ہے  
 تجھی تو نفرتوں کو بانٹتے ہیں  
 وہ چاہت کی گرانی دے گیا ہے  
 کوئی بھی جرم تو ایسا نہیں تھا  
 انوکھی موت جانی دے گیا ہے  
 سب کوئی نہیں تھا روٹھنے کا  
 وہی آہیں یرانی دے گیا ہے



مشورہ ضبط کا مجھے دے کر  
رو پڑا تھا کھڑے کھڑے کوئی

اس کو اس سے غرض نہیں کچھ بھی  
پیار کیسے بھلا کرے کوئی

ذائقہ چکھ لیا جدائی کا  
زہر پینے سے کیوں ڈرے کوئی

وہ تو سوہنی کا عشق تھا یوسفؑ  
آج گھر میں بھلا مرے کوئی



اس سے پہلے کہ وہ چلا جائے  
اس کو جانے سے روک لے کوئی

اس کی آنکھوں میں حرف جھلکے ہیں  
میرے ہونٹوں کو لفظ دے کوئی

آ کے بیٹھتی ہے

تمام دن وہ

پیا سے بھوکے گزارتی ہے

کبھی وہ مشرق کو دیکھتی ہے

کبھی وہ مغرب کو دیکھتی ہے

اب اس کا اترا ہوا سا چہرہ بتا رہا ہے

کہ اس کا ہمارا اس سے شاید نکھر گیا ہے

مگر تعجب ہے وہ مجھے کیوں سوال نظروں سے دیکھتی ہے

یہ عین ممکن ہے

میرا چہرہ بھی

غور سے

اس نے

پڑھ لیا ہو



کئی دنوں سے

یہ چھوٹی چڑیا یہ ننھی چڑیا یہ بھولی چڑیا

اداس چہرہ لیے ہوئے

ایک چھوٹے کیکر کی شاخ پر

حقیقت منہ چھپائے بھاگتی ہے  
 بناوٹ بن سنور کر آگئی ہے  
 چلو اب کے برس غیرت اگائیں  
 بہت گندم یہاں پہ اک چکی ہے  
 دوپٹہ چھین کر بیٹی کے سر سے  
 نئی تہذیب اپنا لی گئی ہے  
 زباں اس کی حیا نے چھین لی ہے  
 یہ بیٹی اب تحفظ مانگتی ہے

ترے کتے ہمیں اب کاٹتے ہیں  
 تجھے اپنی حکومت کی پڑی ہے  
 ذرا بنگلوں سے باہر آ کے دیکھو  
 یہاں پھر ایک دوشیزہ لٹی ہے  
 ابھی سودا ہوا دارالاماں کا  
 مگر قیمت بہت ہی کم لگی ہے  
 وہ اک بچی کا واحد آسرا تھا  
 کہ جس کی لاش تھانے سے ملی ہے  
 جہاں انصاف منصف بپتتا ہو  
 وہاں دنیا کنارے پر کھڑی ہے  
 تجھے یوسف سزا ہو کر رہے گی  
 تری تحریر بھی سچ بولتی ہے

پھر کوئی جھوٹی تسلی دے کے بہلاؤ مجھے  
 یا انہی طغیانوں میں جا کے چھوڑ آؤ مجھے  
 اب بھی کچھ بگڑا نہیں ہے آؤ سمجھوتہ کریں  
 تم پہ جو گزری ہے اب تک کچھ تو بتلاؤ مجھے

اب بھی دل تیری گلی میں گھومتا ہے رات دن  
 طوق اپنے پیار کا پھر آ کے پہناؤ مجھے  
 ہوش میں رہ کے بھلا کیسے کٹے گی زندگی  
 ہو سکے تو کچھ پلا کر جان بہکاؤ مجھے  
 اب یہی لگتا ہے دونوں بوجھ اک دو بے پہ ہیں  
 اب یہی احسان کر دو بھول ہی جاؤ مجھے  
 تجھ کو پہروں دیکھ کر بھی تشنگی جاتی نہیں  
 اب کسی بھی طور یوسف آ کے اپناؤ مجھے



غور سے پل بھر دیکھا اس کو  
 پہروں بیٹھ کے سوچا اس کو  
 وہ دیوی تھی روپ نگر کی  
 آج تک پھر پوجا اس کو  
 کس نے اس سے پیار کیا تھا  
 کس پاگل نے چاہا اس کو  
 جب اپنی اوقات کو دیکھا  
 تنہا بیٹھ کے رویا اس کو

کل اس کی تصویر ملی تھی  
 رات گئے تک چوما اس کو  
 آنا چاہے میرے گھر تک  
 کون بتائے رستہ اس کو  
 وہ بادل میں چاند لگے گی  
 سوٹ دیا ہے کالا اس کو  
 توڑ کے رشتہ پکھتایا ہے  
 کل ہی میں نے دیکھا اس کو  
 وہ بھی میرا پوچھ رہی تھی  
 میں نے بھی خط لکھا اس کو

منزل کے ساتھ ساتھ وہی راستے بھی ہوں  
 اس بے وفا کے ساتھ مرے رابطے بھی ہوں  
 حالات کھینچ کر ہمیں لائے ہیں اس جگہ  
 ہم ایک شہر میں رہیں اور فاصلے بھی ہوں  
 یہ بھی توقعات ہوں وہ لوٹ آئے گا  
 آنکھوں میں انتظار کے وہ رتجگے بھی ہوں  
 پل کر جوان ہو گئیں دل میں کدورتیں  
 نفرت کے ساتھ پیار کے وہ سلسلے بھی ہوں  
 چہرے پہ دھول پیار میں ان سازشوں کی ہو  
 اس سے ملوں تو پاؤں میں کچھ آبلے بھی ہوں

### ﴿سفارش﴾

ابھی آج کی بات ہے  
 کہ مرے شہر کے ایک فنٹ پاتھ پر  
 ایک تھا خوبرو نوجوان جو اکیلا تھا بیٹھا ہوا  
 اس کے چہرے پہ لمبے سفر کی پڑی دھول تھی  
 اس کے بکھرے ہوئے بال، اتر اہوا چہرہ  
 چلا رہا تھا کہ  
 اس کی جوان چار بہنیں

اس کی دلیلیز پہ  
 کب سے بیٹھی ہوئی رو رہی ہیں  
 انہیں جسم کو ڈھانپنے کے لئے کچھ میسر نہیں  
 اور ماں ہے تو برسوں سے بیمار ہے  
 سر پہ والد کا سایہ بھی باقی نہیں  
 ساتھ ہی  
 اس کے دائیں طرف  
 ایک تھیلے میں کاغذ پڑے تھے  
 میں نے دیکھا تو ایم اے کی ڈگری بھی تھی  
 میں نے پوچھا کہ تم کیوں پریشان ہو  
 رو کے کہنے لگا  
 میں نے ایم اے کیا  
 نوکری کے لئے اب سفارش نہیں  
 کوئی پیسہ نہیں

اب تو وہ بھی کھویا کھویا رہتا ہے  
 سب کچھ جیسے لوٹ گیا ہے لگتا ہے  
 امیدوں کے قبرستان میں رہ کر وہ  
 خواہش کا اک دیپ جلائے رکھتا ہے

میری یادیں اس کا پہرہ دیتی ہیں  
 چاند اکیلا جب بھی چھت پر ہوتا ہے  
 وہ تو اکثر میرے گھر میں ہوتی ہے  
 تنہائی سے میرا گہرا رشتہ ہے  
 ہوگی کچھ یادیں وابستہ اس سے بھی  
 رو پڑتا ہوں جب بھی چاند نکلتا ہے  
 جب بھی قاصد لوٹ کے خالی آ جائے  
 پانی بن کر آنکھ سے دل بہہ جاتا ہے  
 دل کہتا ہے عید پہ وہ خط لکھے گا  
 بھول گیا ہو یہ بھی تو ہو سکتا ہے

صرف اس کو دیکھنے کی آرزو  
 اب کہاں ہے پوجنے کی آرزو  
 کب پلٹتا ہے کسی کا بچپنا  
 چاند سے وہ کھیلنے کی آرزو  
 ہر طرف سے پتھروں کی بارشیں  
 جب سے کی ہے چاہنے کی آرزو



آجکل پھر بڑھ رہی ہے دوستو  
آنکوں کو توڑنے کی آرزو

رات بھر سونے نہیں دیتی مجھے  
اس سے رشتہ جوڑنے کی آرزو

جو تری گلیوں میں کھویا تھا کبھی  
اب وہی دل ڈھونڈنے کی آرزو

آسمان سے وہ اتر کر دیکھتا  
دل میں ہے دل مانگنے کی آرزو

لوٹ آئیں پھر وہی راتیں کبھی  
رات بھر وہ جاگنے کی آرزو



نہائیوں میں شام کے منظر تراشنا  
لفظوں کے اب نہ بیٹھ کے پتھر تراشنا

مخرومیوں کے خول میں لایا ہوں ڈھانپ کر  
یہ سر کہ اس کے واسطے خنجر تراشنا

پتھر کا روپ دھار کے رہ جائے گا جہاں  
آنکھیں نہ پھر کسی کی بھی سندور تراشنا

اس سے پچھڑ کے ایک ہی تو مشغلہ رہا  
وارفتگی میں شوق میں دلبر تراشنا

اب میکدے میں بیٹھ کر ہم اور کیا کریں  
مینا تراشنا کبھی ساغر تراشنا



کٹ گئے مجھ سے مرے چاند ستارے لوگو  
کوئی تو شخص مجھے چھت سے پکارے لوگو

اس نے سندور کسی اور کی چاہت کا بھرا  
وہ مجھے چھوڑ گیا کس کے سہارے لوگو

اس کی خوشبو مرے آنگن میں اتر آئی ہے  
اب کوئی آ کے مری زلف سنوارے لوگو

کتنا دشوار تھا وہ چار مہینوں کا سفر  
کس طرح میں نے وہ دن رات گزارے لوگو

مجھ کو یہ زعم اسے بھول کے جی لینا ہے  
مجھ سے پورے نہ ہوئے اس کے خسارے لوگو

### ﴿مجھے بھول جا﴾

مجھے قربتوں کی سزا نہ دے  
مری چاہتوں کا گلہ نہ کر  
مری حسرتوں پہ نہ مسکرا  
مری زندگی ترے نام ہے

مری بے بسی پہ نہ کھلکھلا  
مرا پیار تھا ترے واسطے  
مرا پیار ہے ترے واسطے  
میں نے پیار کر کے برا کیا  
مجھے کیا پتا  
میں نے کیا کیا  
مری جان میں نے کہا تجھے  
مرے حال پر مجھے چھوڑ دے  
مرا جرم ہے تو بتا مجھے  
کوئی زخم ہے تو دکھا مجھے  
مری جان ایسے خفا نہ ہو  
میں نے کب کہا مجھے پیار دے  
مری زندگی کو سنوار دے  
ترے بعد اے مری زندگی

مجھے زندگی کی طلب نہیں  
مرا پیار تیرے گلے میں گر  
کوئی طوق ہے تو اتار دے  
بڑے شوق سے  
مجھے بھول جا  
میرا پیار خد سے جو بڑھ گیا  
مجھے یاد ہے  
تو بھی یاد کر  
میں نے ایک بار تجھے کہا  
مرے جہم میں  
یہ جو زندگی کی دھمال ہے  
ترے نام ہے  
مرے دل میں جتنی بھی دھڑکنیں  
اور ان کا جتنا بھی شور ہے

ترے نام ہے  
ترے واسطے کبھی اور لوگ  
ہوئے معتبر  
تجھے جس نے جو بھی سنا دیا  
تو نے ذہن میں وہ بٹھالیا  
مگر اس سے اتنا ہوا کہ پھر  
تری سوچ نے  
کئی وسوسوں کو جنم دیا  
انہی وسوسوں نے تو جان جاں  
تری سوچ کے سبھی زاویوں کو بدل دیا  
تری منزلیں  
مری منزلوں سے الگ نہیں  
ترے راستے  
مرے راستوں سے جدا نہیں



ہے شعور تجھ کو ذرا سا بھی تو یہ  
مری بے گناہی کو مان لے  
ابھی وقت ہے  
ابھی سوچ لے  
ابھی فیصلہ ترے ہاتھ ہے  
مجھے جان و دل سے قبول ہے  
ترا فیصلہ  
مگر ایک ہے دل ناتواں کی بھی آرزو  
مرا پیار مجھ سے نہ چھین لے  
اور فاصلوں کی صلیب پر مجھے مت چڑھا  
اگر اب بھی تو نہیں مانتا  
مری آرزو  
مری جستجو  
مری زندگی

مری بندگی  
بڑے شوق سے  
مجھے چھوڑنے  
میں یہی سمجھتا رہوں گا  
کہ  
جوشہ تھا اب وہ اتر گیا  
کوئی خواب تھا جو بکھر گیا  
کوئی جام تھا جو چھلک گیا  
تری زندگی  
تری زندگی  
تو جس طرح بھی گزار دے  
مجھے کوئی تجھ سے گلا نہیں

میں ترا انتظار کرتا ہوں  
دیکھ، میں تجھ سے پیار کرتا ہوں  
تیری نفرت بھری نگاہوں کو  
چاہتوں میں شمار کرتا ہوں  
سوچتا ہوں کہ تو مجھے کہہ دے  
جان تجھ پر شمار کرتا ہوں  
کہہ رہا تھا سکون ملتا ہے  
جب تجھے بیقرار کرتا ہوں  
میرا احساس کس کو ہے یوسف  
میں کسے اشکبار کرتا ہوں

دیمک بن کر چاٹ رہا ہے دل کو اک انجانا خوف  
پتھر کے بازار میں دیکھے میں نے شیشے جیسے لوگ  
ہاتھ میں خالی کاسہ ان کے میں نے کل بھی دیکھا تھا  
دھوپ کی چادر سر پر اوڑھے دیکھے چلتے پھرتے لوگ  
کڑوی باتیں کرنے والے کاش مجھے کچھ لوگ ملیں  
ڈر لگتا ہے دھوکا دیں گے منہ کے اتنے میٹھے لوگ  
کس کی مائیں دنیا والو! ہم نے اب پہچان لیا  
جتنے روشن چہرے ان کے دل کے اتنے کالے لوگ  
تیرا شکوہ لب پہ لا کے موت سے پہلے مرنے جاؤں  
کب ملتے ہیں میرے یوسف تیرے جیسے اچھے لوگ

کچھ برسوں سے عید پریشاں کرتی ہے

اس دن تنہا بیٹھ کے روتا رہتا ہوں

کورا کاغذ لے کر اکثر شام ڈھلے

تیرے نام کے آگے بھی کچھ لکھتا ہوں

تیرے دکھ بھی کتنے میٹھے لگتے ہیں

تیرے غم میں کتنے شوق سے جلتا ہوں

پک جاتا ہے غم تو آنسو گرتے ہیں

میں اک سوکھا پیڑ ہوں لیکن پھلتا ہوں

درد کی صورت تیرے دل میں رہتا تھا

پانی بن کر تیری آنکھ سے بہتا ہوں



منزل نہ کوئی دوستو رستہ دکھائی دے

رہبر بھی آج تو مجھے اندھا دکھائی دے

ضد ہے کہ چاند روشنی بانٹے نہ شہر میں

اور یہ بھی شوق ہے کہ وہ پورا دکھائی دے

حالانکہ ایک پیار کا دریا تھا چار سو

لیکن حدنگاہ پہ صحرا دکھائی دے

اس نے تعلقات کو دی ہے نئی روش

ہر شخص اب تو شہر میں اس کا دکھائی دے

دل کے مکان میں کوئی ٹھہرا تھا عمر سے

آنسو کے روپ میں کوئی بہتا دکھائی دے

کا جل بھی ہے اور آنکھ میں کچھ رنج بھی ہے

آنچل بھی اس کا بیج پہ بھیگا دکھائی دے

خود ہی تو ترک دوستی کا فیصلہ کیا

کیوں اٹک تیری آنکھ میں ڈھلتا دکھائی دے

یوسف غزل کو ہیر کے سانچے میں ڈھال دو

اس کو ہر ایک شعر میں رانجھا دکھائی دے

### ﴿اندھے رستے﴾

وہ ایک لڑکی

جو راستے سے بھٹک گئی ہے

اور اس کو منزل نہیں ملی ہے

اور اس کی منزل کو جانے والے

وہ راستے بھی نہیں رہے ہیں  
 وہ ایک لڑکی  
 کہ جس نے آنکھوں میں  
 رتجکوں کو سجایا ہے  
 وہ جاگتی ہے  
 تو اس کی آنکھوں میں  
 عکس ہوتا ہے فاصلوں کا  
 وہ ایک لڑکی  
 جو اپنے اندر سے اٹھنے والی  
 کسی بھی خواہش کی  
 بجائے بس کو جو دیکھتی ہے  
 تو سوچتی ہے  
 کہ اس کی آنکھوں نے  
 جتنے خوابوں کے

زاپے آج تک بنے ہیں  
 وہ سب کسی کے لئے بنے ہیں  
 وہ ایک لڑکی  
 کہ جس نے یہ فیصلہ کیا ہے  
 کہ اب وہ مانگے گی  
 بھیک منزل کی  
 راستوں سے  
 نہ اپنی آنکھوں سے  
 پھر کسی خواب کی تمنا کیا کرے گی

اس کی نفرت تو جنم دیتی رہی خدمات کو  
 رو دیا سینے لگا کر میں بھی اس سوغات کو  
 چاندنی کی رات بھر سرگوشیاں مجھ سے رہیں  
 چاند تیرے شہر میں اترے گا تنہا رات کو  
 آ مری جاں تو مری محرومیاں تسلیم کر  
 یوں نہ ہو کہ عمر بھر تر سے تو اک بارات کو  
 پوجتا ہوں میں درود یوار بھی اس شہر کے  
 بھول بیٹھا ہے مجھے لگتا ہے ان خدمات کو

وہ بہا لے جائے گی لگتا ہے پورے شہر کو  
 جانے اب کیا ہو گیا ہے آنکھ کی برسات کو  
 اپنے سائے سے لپٹ کر چیتا رہتا ہوں میں  
 اک نظر تو دیکھ آ کر اب مرے حالات کو  
 کون بہکا تا ہے اس کو مشوروں کی آڑ میں  
 پالتا رہتا ہے اب وہ ذہن میں خدشات کو  
 کانپتے ہونٹوں سے قاصد جو بھی بتلائے مجھے  
 دل کے کاغذ پر میں لکھتا ہوں اب ان کلمات کو  
 اس نے سمجھوتہ غموں سے کر لیا تو کیا ہوا  
 تم بھی یوسف اپنے قابو میں رکھو جذبات کو



جو کھولی آنکھ تو کچھ بھی نہیں تھا  
مرے پہلو میں تو لیٹا ہوا تھا  
میں تجھ سے بدگماں ہو جاؤں آخر  
یہ منصوبہ ترا سوچا ہوا تھا  
ذرا اپنے بھی دل سے پوچھ لینا  
کوئی کس سے بھلا روٹھا ہوا تھا  
میں گے گفتگو لیکن نہ ہوگی  
یہ سب تقدیر کا لکھا ہوا تھا  
مری جاں تیری تصویریں کہاں ہیں  
ترا وعدہ بھی کیا جھوٹا ہوا تھا

میں کتنا مطمئن بیٹھا ہوا تھا  
وہ جب تک میرے گھر ٹھہرا ہوا تھا  
مرے دل سے بھی طوفاں اٹھ رہے تھے  
ترا چہرہ بھی کل اترتا ہوا تھا  
کبھی نے مجھ پہ نظریں گاڑ دی تھیں  
مرے چہرے پہ کیا لکھا ہوا تھا

مجھے پہلے ہی اس نے کھو دیا تھا  
وہ کس سے پوچھتا جانے سے پہلے  
جو دل میں لوٹنے کی بات ہوتی  
نہ آنچل بھیتا جانے سے پہلے  
اگر ملنا وفا کی شرط ہوتی  
گھڑا کیوں ڈوبتا جانے سے پہلے  
برا دل کا اگر ہوتا وہ یوسف  
نہ مڑ کر دیکھتا جانے سے پہلے

اسے کیوں روکتا جانے سے پہلے  
وہ خود ہی سوچتا جانے سے پہلے  
کبھی توڑا نہ اس نے خامشی کو  
وہ کچھ تو بولتا جانے سے پہلے

## ﴿آنسو﴾

اسے جب ماں نے پہلی بار مارا تھا  
وہ روتی تھی  
اسے معلوم ہی کب تھا  
وہ کیوں روتی ہے

وہ کب جانتی تھی  
اس کی آنکھوں میں  
اچانک  
کس لیے آنسو اُٹھتے ہیں  
اسے احساس ہی کب تھا  
کہ یہ آنسو بہت انمول ہوتے ہیں  
اسے جب ماں نے گڑیا دے کے بہلایا  
تو وہ خوش ہو کے  
ایسے ہنس پڑی تھی  
پھر اس کے بعد برسوں تک  
اسے رونا نہیں آیا  
مگر اک روز جب موسمِ جواں تھا  
ہوا اٹھیلیاں کرنے لگی تھی  
بہت سی تتلیاں

پھولوں کی خوشبو اوڑھ کر اترنے لگی تھیں  
تو وہ اس روز پھر روئی  
اور اتنی دیر تک روئی  
کہ شاید  
رات بھر وہ سو نہیں پائی  
اسے معلوم ہی کب تھا کہ  
رونے سے بھی یوں تسکین ملتی تھی  
اسے بس یہ تعجب تھا  
کہ اس کی نیند میں ایسا خلل کیوں ہے  
اسے رونے سے فرصت کیوں نہیں ملتی  
اسے یہ بھی تعجب تھا  
وہ  
اپنے گھر کا دروازہ  
کھلا کیوں چھوڑ دیتی ہے

وہ یہ بھی سوچتی تھی  
جب کوئی باہر گلی میں سے گزرتا ہے  
تو اس کا دل بہت سے چین ہوتا ہے  
مگر اک روز  
اک بچے نے چپکے سے  
اسے اک پھول دے کر یہ کہا تھا  
”یہ میرے بھیا نے بھیجا ہے“  
وہ ایسا پھول تھا جس کی مہک اس کی رگوں میں بھی  
سرایت کر گئی تھی  
اور اس کی روح بھی جیسے معطر ہو گئی تھی  
اسے وہ پھول کی پتی پہ لکھا عبد نامہ  
یاد آتا تھا  
کہ میں تیرا ہوں تو میرے لیے ہے  
یہ وہ دن تھا

کہ جب وہ کھلکھلا کے ہنس پڑی تھی  
پھر اس کے بعد برسوں تک اسے رونا نہیں آیا  
یہ عقدہ آج اس پر کھل گیا ہے  
یہی وہ شخص ہے ایسا  
جو اس کی آنکھ کے رستے سے  
چپکے سے  
اتر کر

اس کے دل میں

چھپ کے بیٹھا ہے

اسے معلوم ہی کب تھا

کہ وہ بھی پیار کرتی ہے

کسی کے دل میں چپکے سے

اتر کر وہ بھی بیٹھی ہے



فاصلوں سے چھین لوں گا منزلوں کی خواہشیں  
کون واپس لائے اس سے قربتوں کی خواہشیں  
صرف اس سے یہ کہو کہ فیصلہ جلدی کرے  
اس طرح پوری نہیں ہوں گی دلوں کی خواہشیں

میری آنکھوں سے نکل کر اس کا چہرہ چوم لیں  
نکھی منی کس قدر ہیں آنسوؤں کی خواہشیں

میں تجاوز کر گیا تھا دوستو اوقات سے  
ذہن میں ابھی رہیں کچھ رابطوں کی خواہشیں

میرا اس سے رابطہ ممکن نہیں ہے دوستو  
آج پوری ہو رہی ہیں دوستوں کی خواہشیں

ہو سکے تو اس کے دل میں اک پناہ گاہ ڈھونڈ لیں  
کس قدر معصوم ہیں ان بے گھروں کی خواہشیں

ذوقی کشتی کو وہ دیں گے سہارا یا نہیں  
کیوں نہ یوسف پوچھ لیں ہم ساحلوں کی خواہشیں



نرم مہنی پہ فاختہ کا گھر  
تیز آندھی کا بجلیوں کا ڈر

تاج پہنائے جھوٹ کو ہم نے  
جھک گیا ہے صداقتوں کا سر

ہم نے اپنی انا کو بیچا ہے  
جب سے پوجا ہے ظالموں کا در

ایک مفلس نے بیچ دی لڑکی  
اس کا دامن تھا آنسوؤں سے تر

اب غریبوں کے خون سے یوسف  
جگمگاتے ہیں زاہدوں کے گھر





تم جو رات گئے تک بیٹھے رہتے ہو  
 تنہائی میں خود سے تم کیا کہتے ہو  
 کیا رکھا ہے اس ویران حویلی میں  
 بوڑھے پیر کے اوپر تم کیا لکھتے ہو  
 نہر کنارے اکثر تم کو دیکھا ہے  
 اس بستی میں تم کیا لینے جاتے ہو  
 اس سے پوچھو جس نے پیار بھلایا ہے  
 دنیا والو مجھ کو کیا سمجھاتے ہو  
 میں جوگی، بخارہ، سادھو جو بھی ہوں  
 تم تو خوش ہو اپنی دھن میں رہتے ہو

میں کاغذ کی بیڑی لے کر آیا ہوں  
 تم دریا ہو دریا جیسے بہتے ہو  
 وہ ظالم تو کب کا شہر بھی چھوڑ گیا  
 کون ہے چھت کے اوپر کس کو تکتے ہو  
 کون سا ایسا روگ ہے بولو بات کرو  
 گھن کی صورت خود کو کھاتے جاتے ہو  
 مجھ کو یہ محسوس ہوا ہے جیسے تم  
 اکثر مجھ سے اپنا پیار چھپاتے ہو  
 کوئی آخر بات ہے نہاں یوسف جی  
 ایک گلی میں دن بھر چلتے رہتے ہو



سنانوں کا شور مجھے پھر ڈستا ہے  
 لوٹ کے آیا پھر موسم تنہائی کا  
 یاد ہیں مجھ کو تیرے گھر کے سب رستے  
 روک رہا ہے ڈر تیری رسوائی کا  
 میرے پیار کے اس دریا میں ڈوب کے دیکھ  
 پھر اندازہ ہو تجھ کو گہرائی کا  
 مجھ کو روتا دیکھ رہے تھے کافی لوگ  
 میں نے جب کل خط دیکھا ہرجائی کا  
 جس دن سے وہ یوسف تنہا چھوڑ گیا  
 آنکھ کے اندر سے موسم جولائی کا

### ﴿عید کا چاند﴾

ایک مہینہ

وہ میرے مہمان رہے تھے  
 آج انہیں رخصت ہونا تھا  
 میں نے بھی یہ سن رکھا تھا  
 ان مہمانوں کی خدمت سے

اتنی برکت ہوتی ہے کہ  
اپنے رب سے جو بھی مانگیں  
وہ ملتا ہے  
جتنی خدمت ہو سکتی تھی  
وہ سب کی تھی  
میں نے اس امید پر رب سے  
ہاتھ اٹھا کر  
جو بھی خواہش تھی وہ مانگا  
میں نے یہ بھی سن رکھا تھا  
آج کی شام کو  
اپنے گھر کی چھت پر چڑھ کر  
چاند کو دیکھا جاتا ہے  
میں بھی اپنے دل کے اندر  
اک ننھی امید کو لے کر

اس کے شہر کو چل نکلا تھا  
سب لوگوں نے  
اپنے اپنے گھر کی چھت سے  
اپنے اپنے چاند کو دیکھا  
لیکن میں مایوس کھڑا تھا  
یوں لگتا تھا  
جو بھی دعائیں  
میں نے مانگیں  
عرش سے واپس لوٹ آئی تھیں  
قدرت کو منظور یہی تھا  
اس نے اپنا چاند نہ دیکھا  
میں نے اپنا چاند نہ دیکھا

سارا دن وہ کیوں نہ آیا اس سے پوچھا جاسکتا ہے  
گھر والوں کا ڈر ہو اس کو یہ بھی سوچا جاسکتا ہے  
گھن میں جب سیر کو نکلیں رنگوں کی مہکار ملے گی  
پھر جو من کو بھا جائے اس پھول کو توڑا جاسکتا ہے  
یہ تو ممکن ہو سکتا ہے اپنے گھر کو چھوڑ آؤں میں  
جس بستی میں وہ رہتے ہوں کیسے چھوڑا جاسکتا ہے  
اک دن میرے گھر نہ آیا سارا دن برسا آنکھوں سے  
اتنی شدت ہو تو پیارے کیسے روٹھا جاسکتا ہے  
مجھ سے کوسوں دور ہوا ہے وہ جو دل کے اندر ہے  
اس کی یاد میں تنہا یوسف شب بھر ترپا جاسکتا ہے

میرے گھر بھی اترے چاند  
اب تو آ جا میرے چاند  
وہ سردی میں کانپ رہا ہے  
یوں نہ شب بھر ترپے چاند  
مانا وہ مصروف بہت ہے  
پل دو پل تو ٹھہرے چاند  
ڈستی ہیں اب کالی راتیں  
اب نہ مجھ سے روٹھے چاند  
وہ بھی روتے دیکھے یوسف  
جن کے پاس ہیں اپنے چاند

اس طرح تو بات بڑھتی جائے گی  
 اب تو اس کو مان جانا چاہیے  
 جب پکارا وہ یقیناً آئے گا  
 اس کو تھوڑا سا بہانا چاہیے  
 وہ گیا تو لوٹ کر آیا نہیں  
 اس کو اپنے گھر بلانا چاہیے  
 مار دے گی مجھ کو تیری خامشی  
 تجھ کو تھوڑا مسکرانا چاہیے  
 میں نے جس میں گھر بنایا تھا کبھی  
 مجھ کو تیرا دل پرانا چاہیے  
 وہ اکیلا کر گیا ہے دوستو  
 بوریہ بستر اٹھانا چاہیے



نفرتوں کو بھول جانا چاہیے  
 پیار ہم کو بھی بھانا چاہیے  
 ایک مدت ہو گئی پگھڑے ہوئے  
 اب تو اس کو لوٹ آنا چاہیے

آوازوں کے جنگل میں چپ رہنے دے  
 خاموشی کے صدمے مجھ کو سہنے دے  
 انجانے میں کاٹ رہا ہے سب جنگل  
 دھوپ کڑی ہے کچھ تو سایہ رہنے دے

وہ خفا ہے کیا خطا مجھ سے ہوئی  
 اس کو اتنا تو بتانا چاہیے  
 آگ جنگل میں لگی ہے اس لئے  
 فاختہ کو بھی اڑانا چاہیے  
 وہ نہ رسوا ہو کہیں میری طرح  
 پیار کو اب تو چھپانا چاہیے  
 نیند بھی یوسف مجھے آتی نہیں  
 خواب بھی لیکن سہانا چاہیے





دریاؤں پہ پستے باندھے جاتے ہیں  
یہ آنکھیں ہیں بہتی ہیں تو بہنے دے  
کیا ملتا ہے تجھ کو ننھی جانوں سے  
ظالم کوئے! بچے شاخ پہ رہنے دے  
ظالم کے درباری سارے جھوٹے ہیں  
جی باتیں مجھ کو کھل کر کہنے دے  
میرے لب کھلوا کر تو پچھتائے گا  
مجھ کو میرے اندر سمٹا رہنے دے  
یہ پاگل دیوانہ یوسف ہے تیرا  
من موحی ہے جو کہتا ہے کہنے دے



اے مری جان کیا یہ تعجب نہیں  
مجھ سے پہلے  
تیری آنکھ میں کوئی اتر نہیں  
کوئی بھی شخص ایسا نہیں ہے

جسے دیکھ کر  
تیرے چلتے قدم ڈگمگائے گئے  
اور پھر سر سے آنچل سرکنے لگا  
دل دھڑکنے لگا  
تو نے خود کو سنبھالا دیا پھر کہا  
مجھ کو اس سے ذرا بھی محبت نہیں  
ٹھیک ہے وہ سراپا و جاہت سہی  
ٹھیک ہے اس کی آنکھوں میں چاہت سہی  
یہ بھی سچ ہے کہ اس کی چمکتی ہوئی آنکھ میں  
ایک جادو بھی ہے  
ہاں مگر سکھیاں  
کیوں سمجھتی نہیں  
اس سے مجھ کو ذرا بھی محبت نہیں  
یہ کئی دن سے میں جو کھایا یا تک نہیں

یہ جو تکیے میں سر دے کر لیٹی  
ہوئی ہوں کئی روز سے  
اور چپ چاپ ہوں  
بس ذرا سی طبیعت بھی ناساز ہے  
یہ تو اسے طبیعت ہی ناسازی ہو گئی  
سر میں کچھ درد ہے  
جسم تپتا ہے..... کچھ ٹپیر پچر سا ہے  
اور تو کچھ نہیں  
تم سمجھتی نہیں ہو  
مجھے اس سے کوئی محبت نہیں  
بھلا اس سے میں کیوں محبت کروں گی  
میں جب رات کو آنکھ اوپر اٹھاؤں  
تو تارے گرین ٹوٹ کر آسمان سے  
میں کا جل لگاؤں

تو پھر دودھی چاندنی رات بھی

اتنی گہری لگے

ہاتھ پر ہاتھ مارے بھائی نہ دے

بال کھولوں تو پھر

ماند پڑ جائے یہ

کالی کالی گھٹا

ہاں مرے مسکرانے پہ چاروں طرف

پھول کھلنے لگیں

مگر ایک وہ ہے

جسے میں نے چاہا نہیں ہے

کئی بار اس نے مجھے دیکھ کر

اپنی آنکھیں رسالے پہ مرکوز کی ہیں

میری جان..... ہوگا

میں سب مانتا ہوں

تجھے اس سے کوئی محبت نہ ہوگی

مگر میں تو یہ برملا کہہ رہا ہوں

تجھے دیکھ کر

میرے چلتے قدم

ڈگمگا سے گئے

دل دھڑکنے لگا

میں نے خود کو سنبھالا دیا، پھر کہا

میں نے چاہا ہے تجھ کو دل و جان سے

در دہر

اور یہ ٹمپر پچر

مجھے بھی ہوا

اگر تو میرا ساتھ دے تو

طبیعت نہ ناساز ہو

جبکہ اس کے شہر کے اندر کعبہ ہے

دل پگلا ہے پتھر پوجے مت روکو

نفرت کا اظہار کرے تو کرنے دو

اپنے منہ سے کچھ تو بولے مت روکو

ٹوٹے رشتے پھر سے جوڑنے آیا ہے

صبح کا بھٹکا شام کو آئے مت روکو

چپ کا عادی ذہن بغاوت کرتا ہے

جب سناٹا شور مچائے مت روکو

اس کو چھو کر آئی ہوگی آنے دو

خوشبو گر دیوار پھلانگے مت روکو

جو ہونا ہے وہ تو آخر ہونا ہے

رسوائی اب ڈھول بجائے مت روکو

اس کی خواہش مجھ کو جان سے پیاری ہے

وہ گر میری شام چرائے مت روکو

صرف مجھے تڑپانا ہے مقصود اسے

گھر میں آ کر لوٹ بھی جائے مت روکو

کون کہے گا اس کے شہر میں یوسف جی

یہ میرا دیوانہ آئے مت روکو

تیرے ماتھے پر لکھی ہیں تیری ساری وحشتیں  
 کون کہتا ہے تجھے اقرار کرنے کے لیے  
 دل کی باتیں کھول کر رکھ دوں گا ان کے سامنے  
 وقت دیں گے وہ اگر اظہار کرنے کے لیے  
 مجھ سے ترک دوستی کا فیصلہ اچھا نہیں  
 کون آئے گا ترا دیدار کرنے کے لیے  
 اب کے وہ مہینوال ہے یوسف نہ وہ کچا گھڑا  
 اب وہ دریا بھی نہیں ہے پار کرنے کے لیے



کتنی خود غرضی سے اس نے مجھ کو تنہا کر دیا  
 صرف اپنا راستہ ہموار کرنے کے لیے  
 شہر والو پھینک دو پتھر خدا کے واسطے  
 اب اسے لاؤ مجھے سنگسار کرنے کے لیے

اس کی آنکھیں چورتھیں دل کو چرا کر لے گئیں  
 میں بھلا کیونکر لگا ہوں اب چرانے وقت کو  
 دوستو اک بار گزرا وقت کب لوٹا بھلا  
 میں کہاں اور کس لئے جاتا بلانے وقت کو  
 جو سہانا وقت تھا وہ روٹھ کر چلتا بنا  
 اس کی چوکھٹ پر گیا ہوں اب منانے وقت کو  
 تو بھی روئے گی لپٹ کر چاندنی سے ایک دن  
 رو رہے ہیں جس طرح یوسف زمانے وقت کو

بیٹھ کر روتا ہوں میں گزرے سہانے وقت کو  
 ڈھونڈ کر لاؤں کہاں سے اب پرانے وقت کو  
 لوٹ کر آئے نہ اب تک وہ پرانے سلسلے  
 دوستو کیا ہو گیا ہے اب نہ جانے وقت کو



حاکم رہے ہیں پیار کی اس سلطنت کے ہم  
اب آ کے اقتدار کا موسم نہیں رہا  
صحرا میں تیز دھوپ کے پہلو میں بیٹھنا  
اب شاخ سایہ دار کا موسم نہیں رہا  
کل تک وہ میرے ہاتھ کی ریکھاؤں میں رہا  
اب اس پہ اختیار کا موسم نہیں رہا  
یوسف اسی کی آنکھ سے پی تو نشہ ملے  
بوتل میں اب خمار کا موسم نہیں رہا

دیکھو تو انتظار کا موسم نہیں رہا  
آنکھوں پہ اعتبار کا موسم نہیں رہا  
ہے ان نگوں میں آج بھی خوشبو گلاب کی  
حالانکہ اب بہار کا موسم نہیں رہا

جیسے میرے دل کی دھڑکن ٹھہر گئی ہو  
جیسے میرے خالی گھر میں اک سناٹا  
صدیوں پہلے  
تیری یادیں لے کر آیا  
سناٹا اور یادیں دونوں  
یوں لگتا ہے  
جیسے اپنے گھر کا رستہ بھول گئے ہیں  
تم جس رستے سے بھی چاہو  
شوق سے آؤ  
سوچ کے آؤ  
جب تم اپنے گھر سے باہر  
دکھ کی چادر اوڑھ کے نکلو  
پھر تم کیسے  
اپنے شہر کی دیواروں سے پوچھو گی

### ﴿تھک نہ جانا﴾

تیرے شہر سے میرے گھر تک  
دورستے ہیں  
دونوں ہجر کی رات کے جیسے لمبے  
دونوں میری آنکھوں جیسے ویراں ویراں  
دونوں میرے دل کی مانند اجڑے اجڑے  
اور وہ ایسے

وہ رستے

دشوار کٹھن اور کتنے لمبے  
ان رستوں پہ کانٹے بھی ہیں  
ان رستوں پہ پتھر بھی ہیں  
تم اپنے اس پھول بدن کو  
تم اپنے اس کانچ بدن کو  
گھر سے باہر نہ ہی لانا  
خود کو ہرگز نہ بہکانا  
ہاں گر تجھ کو شوق چرائے  
آنکھیں روئیں دل گھبرائے  
سانسوں کی جب لڑیاں ٹوٹیں  
وحشت گھر میں گانا گائے  
عشق تجھے گر خون رلائے  
رسوائی سے خوف نہ آئے

سانس گلے میں اٹکی جائے  
نیند نہ آئے  
تو پھر  
جاناں  
اپنے گھر سے  
میری ہو کر  
شوق سے آنا  
بھول نہ جانا  
مت گھبرانا  
ان راہوں پہ چلتے چلتے  
کالی رات کی ناگن تجھ کو  
ڈسنے آئے  
یا پھر  
تیرے اندر سے کوئی

تیرے جیسا

رستے کی دیوار بنے  
یادوں کی زنجیر بنے  
تو پھر اس سے اتنا کہنا  
دریاؤں کا بہتا پانی  
منہ سے نکلی بات..... یہ دونوں  
وقت کی مانند ہوتے ہیں  
کب وہ لوٹ کے آتے ہیں  
ان کو ساری بات بتانا  
اور سمجھانا  
واپس گھر کو لوٹ نہ جانا  
لمبارستہ دیکھ کے جاناں  
تھک نہ جانا

تج آنکھیں تو ہیں سناں آنسو  
کیسے ہم پہ ہیں مہرباں آنسو  
ہم نے لکھا ہے خون سے نامہ  
اپنی آنکھوں میں اب کہاں آنسو

میں بہا دوں گا خون بھی اپنا  
تو گرائے جہاں جہاں آنسو  
اپنے آنچل پہ اک نظر ڈالو  
کتنے گہرے ہیں بے نشاں آنسو  
تیرے دل کی زبان لگتے ہیں  
تیری آنکھوں کے بے زباں آنسو  
کیسے ممکن ہے تیری رسوائی  
تیرے میرے ہیں راز داں آنسو  
بے خطر دوستی کا وعدہ کر  
اپنے ہوں گے یہ پاساں آنسو  
جب سے پالے ہیں وسوسے دل میں  
اب تو لگتے ہیں بدگماں آنسو

مجھ کو جینے کی کیا ضرورت ہے  
تیری آنکھوں سے ہیں رواں آنسو  
تو بصد شوق چھوڑ جا مجھ کو  
اب بہائے گا آسماں آنسو  
ترک الفت کے بعد اے جاناں  
کون روکے گا بے کراں آنسو  
یہ بھی یوسف اسی کے جیسے ہیں  
بھولے بھالے مگر جواں آنسو

دل کے کلڑوں کو ہتھیلی پہ سجا لیتے تھے  
وقت پڑنے پہ اسے روکے منا لیتے تھے  
جب بھی پیغام کوئی آ کے صبا دیتی تھی  
اس کی تصویر کو ہونٹوں سے لگا لیتے تھے  
اس سے پہلے کہ کوئی اس کا سراپا دیکھے  
ہم اسے چوم کے آنکھوں میں چھپا لیتے تھے

میں اور اپنی موت سے کھیلوں تم کو اچھا لگتا ہے  
تیرے بارے اتنا سوچوں تم کو اچھا لگتا ہے  
تیرا میرا کیا رشتہ ہے ہم دونوں کیا لگتے ہیں  
تم سے اتنا بھی نہ پوچھوں تم کو اچھا لگتا ہے  
چاند اگر چھپ کر بھی نکلا سارا عالم دیکھے گا  
تم کہتے ہو میں نہ دیکھوں تم کو اچھا لگتا ہے  
میری بھی یہ ضد ہے تیری آنکھ میں چھپ کر بیٹھ رہوں  
تھکی آنکھ میں کاجل گھولوں تم کو اچھا لگتا ہے  
تیرا کیا ہے کب لوٹے گا تو تو دریا پار گیا  
میں ساحل پہ ریت سے کھیلوں تم کو اچھا لگتا ہے

میں تجھ سے انتقام بھی لوں گا تو اس طرح  
تو جب بھی یاد آئے گی میں بھول جاؤں گا  
اے دوست ترک دوستی اپنی جگہ مگر  
دیکھے بغیر میں تجھے واپس نہ جاؤں گا

اس کے دل میں جو بدگمانی ہے  
دوستو یہ الگ کہانی ہے  
بادشاہت تو مفلسی میں ہے  
جان دولت تو آنی جانی ہے

مشورہ جب اسی سے کرنا ہے  
بات پھر اس سے کیا چھپانی ہے  
میرا اس سے نباہ نہیں ہوتا  
بس اے بات یہ بتانی ہے  
جبکہ وہ بولتا نہیں مجھ سے  
اس سے کیا دوستی بھانی ہے  
شہر ڈوبے گا پھر سے یوسف جی  
اپنی آنکھوں میں پھر سے پانی ہے

تیری یادیں سونا گھر ہے اور میں  
رات کا پچھلا پہر ہے اور میں  
بڑھ رہی ہیں شام کی پرچھائیاں  
ایک آن دیکھا سفر ہے اور میں  
اک تسلسل ہے ہوا میں شور کا  
ٹوٹا پھوٹا ایک در ہے اور میں  
اس نے پھر جاتے ہوئے کچھ نہ کہا  
پھر سے اک لمبا سفر ہے اور میں  
لوٹ کر آنے کا وعدہ کر گیا  
یوسف اس کی رہگزر ہے اور میں





دیکھا! اس کے خط کا اک اک لفظ نرالا ہوتا ہے  
رات اندھیری بھی ہوتی ہے اور اجالا ہوتا ہے  
میں تو اس کو پڑھ لیتا ہوں جب بھی سامنے آتا ہے  
ان آنکھوں کے اندر بھی تو ایک حوالہ ہوتا ہے  
مشکل یہ ہے بات بھی وہ آسانی سے کب سنتا ہے  
ایک انوکھے رنگ میں اس نے خود کو ڈھالا ہوتا ہے  
مجھ کو یوں معلوم نہیں تھا لوگ تو یہ بھی کہتے تھے  
چاہت کرنے والا چہرہ بھولا بھالا ہوتا ہے  
تجھ کو یہ معلوم نہیں تھا یوسف ایسا ہوتا ہے  
روشن چہرے والوں کا تو اندر کالا ہوتا ہے

## ﴿نمایاں فرق﴾

اس کے گھر اور میرے گھر میں  
کوئی نمایاں فرق نہیں ہے  
پھول درخت اور ننھے پودے  
اس کے گھر کے اندر بھی ہیں  
میرے گھر کے اندر بھی یہ ساری چیزیں  
ایسے ہی ہیں  
اس کے شہر میں جب سہ پہر کا وقت ہوتا ہے  
اس کے گھر موجود درختوں کے اوپر  
بھولی بھالی سی اک کوئل  
اپنے اندر  
سارے درد سمیٹے شاید

اس کے درد بٹانے آ جاتی ہے  
لیکن کیا کہ  
جاتے جاتے  
اپنے بھی دکھ سارے اس کو  
دے جاتی ہے  
پھر وہ اپنا چہرہ ڈھانپے  
دیر تلک یوں روتی ہے  
کہ جیسے اس نے  
مجھ سے مل کر جو باتیں بھی کرنا تھیں  
وہ اس سے نہ ہو پاتی تھیں  
جیسے اس نے آنکھوں سے سب باتیں کی ہوں  
اور زباں سے نہ بولی ہو  
چپ سا دھی ہو  
اب تک ایسے گنگ بیٹھی ہو

اس کے گھر اور میرے گھر میں  
فرق نہیں ہے کوئی بھی  
میرے ساتھ بھی اکثر ایسا ہو جاتا ہے  
کیونکہ میں بھی  
گھر والوں کو  
جان سے پیارا لگتا ہوں  
لیکن یوں بھی  
اس کے گھر  
اور میرے گھر میں  
فرق نمایاں ہوتا ہے  
اور وہ یہ ہے  
اس کے گھر میں  
میں نہیں ہوتا  
میرے گھر میں وہ نہیں ہوتا

۲

۲



بھولی بھالی خواہش اس کی بھولی بھالی مجبوری  
چاند پکڑ کر اس تک لانا ایک نرالی مجبوری  
اس کا بھی معمول یہی تھا شام سے پہلے رو دینا  
نازک ننھی جان پہ اس نے کیسی ڈالی مجبوری

اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ہونٹوں تک لے آتا ہے  
دیکھو پگھلے دل نے اندر کیسی پالی مجبوری  
اب وہ جانے کس کی خاطر مجھ سے جان چھڑاتا ہے  
اس نے آخر اپنے سر سے آ کر ٹالی مجبوری  
میرا کیا ہے میں تو اب بھی تنہا رہ کر جی لوں گا  
لیکن یہ تو بتلائے کیوں اس نے ڈالی مجبوری  
اب تک جو بھی لوگ ملے وہ یوسف مطلب والے تھے  
تم بھی اپنے اندر پالو ایک خیالی مجبوری



اب اسے پانے کی خواہش مرچکی ہے دوستو  
کون کہتا ہے کہ اس سے دل لگی ہے دوستو  
دوستی اس سے کہاں تھی روٹھنے سے پیشتر  
بیکھی اب اس قدر کیوں بڑھ رہی ہے دوستو  
شہر چھوڑے جارہے ہو کب پلٹ کر آؤ گے  
آنسوؤں کو پونچھ کر وہ پوچھتی ہے دوستو

کیا وجہ ہے آج کل خط بھی نہیں لکھتا مجھے  
کیا محبت، پیار، چاہت ظاہری ہے دوستو  
جب بھی اس کا نام آیا آنکھ برسی ٹوٹ کر  
کون روکے یہ سمندر عاشقی ہے دوستو  
بال کھولے رقص کرتی ہے مرے گھر زندگی  
اک کرن اس چاند کی جب جھانکتی ہے دوستو  
میں بھلا کس جرم کی پاداش میں زندہ رہوں  
زندگی اس کے بنا کیا زندگی ہے دوستو  
زندگی اس آنکھ کی محتاج ہو کر رہ گئی  
وہ خفا ہو زندگی بھی روٹھتی ہے دوستو  
آؤ یوسف کو بھلا اس کی گلی میں لے چلیں  
شام کو وہ در سنا ہے کھولتی ہے دوستو

اس نے تو صرف پیار سے دیکھا نہ تھا مجھے  
میں اس کے در کو چوم کے روتا نہیں رہا  
گل کر دیے ہیں دوستو گھر کے سبھی چراغ  
دل ہے کہ اس کی یاد میں جلتا نہیں رہا  
میں اس سے روٹھ کر بھی نہیں روٹھ پاؤں گا  
یہ دل بھی آج سے مرا اپنا نہیں رہا  
پیتے تھے اس کی آنکھ سے تو جھومتے بھی تھے  
سانی کا بھی نظام وہ پہلا نہیں رہا  
وہ تو میرے خلوص پہ تنقید نہ کرے  
جو اک رقیب کے لیے میرا نہیں رہا  
یوسف چلو اب شہر اس کا چھوڑ جاؤ تم  
وہ شخص جس کا بھی ہوا تیرا نہیں رہا

میں جس کا ہو گیا تھا وہ میرا نہیں رہا  
پہلے وہ جس طرح کا تھا ایسا نہیں رہا  
کل تک وہ پورے شہر کا حاکم تھا دوستو  
کہتے ہیں اب یہ شہر بھی اس کا نہیں رہا



تو جو ڈھونڈے تو مل بھی سکتا ہوں  
تیری باہوں کے ہار میں گم ہوں  
بیت جائے گی زندگی ساری  
جیسے لمحوں کے پیار میں گم ہوں  
چاندیوں رات چھت پہ شرمائے  
جیسے میں زلف یار میں گم ہوں  
زندگی ہے حباب کی صورت  
میں اسی کے حصار میں گم ہوں  
دوستی کے عوض جہاں والو  
دشمنی کے شمار میں گم ہوں

منزلوں تک رسائی ناممکن  
ایک راہ کے غبار میں گم ہوں  
مجھ سے وہ روٹھ تو نہیں سکتا  
بس اسی اعتبار میں گم ہوں  
لوٹ آئے گا وہ مسافر بھی  
اب اسی انتظار میں گم ہوں  
راستے کرچیوں کی زد میں ہیں  
منزلوں کے شکار میں گم ہوں



جانے تینوں کس کی راہیں تکتے ہیں  
میں ' میری ناکام تمنا ، تنہا گھر

پیار ترا گر مل جائے تو کافی ہیں  
ٹوٹے پھوٹے دروازے اور کچا گھر

رات کو جس کی چھت پہ چاند کا پہرہ تھا  
اس کے شہر میں دیکھا میں نے ایسا گھر

ایک حویلی میں سب تارے ٹوٹ کرے  
کون مجھے بتلائے تھا وہ کس کا گھر

عشق محبت پیار وفا سب قصے ہیں  
کون بسائے یوسف دل کا اجڑا گھر



وہ روشن چوہارے گلیاں تیرا گھر  
یہ جنگل ویرانے صحرا میرا گھر

برسوں پہلے ساحل پہ آباد کیا  
اب لہروں سے پوچھ رہا ہوں اپنا گھر

ظلم کا بدل اب کے ٹوٹ کے برے گا  
کانپ رہا ہے میری آس کا ٹوٹا گھر

جانے تینوں کس کی راہیں تکتے ہیں  
میں ' میری ناکام تمنا ، تنہا گھر

پیار ترا گر مل جائے تو کافی ہیں  
ٹوٹے پھوٹے دروازے اور کچا گھر

رات کو جس کی چھت پہ چاند کا پہرہ تھا  
اس کے شہر میں دیکھا میں نے ایسا گھر

ایک حویلی میں سب تارے ٹوٹ کرے  
کون مجھے بتلائے تھا وہ کس کا گھر

عشق محبت پیار وفا سب قصے ہیں  
کون بسائے یوسف دل کا اجڑا گھر

میں جس دن سے تمہارا ہو گیا ہوں  
مری جاں بے سہارا ہو گیا ہوں

یہی حاصل ہے میری زندگی کا  
میں اس پہ آشکارا ہو گیا ہوں

جو ترے عمر ساری کشتیوں کو  
میں اب ایسا کنارا ہو گیا ہوں

تیری خاطر کوئی تو توڑ لائے  
تبھی تو میں ستارا ہو گیا ہوں

مجھے یوسف یہ اندازہ نہیں ہے  
میں پتھر ہوں کہ پارا ہو گیا ہوں

﴿اسے پتہ ہے﴾

عجیب لذت ہے رتجکوں کی

عجب مزہ ہے ادا سیوں کا

اسے پتہ ہے

وہ جانتا ہے

تبھی تو اس نے مرے لیے بھی

رقا ہوں کی کتاب لکھی



مری ہتھیلی پہ اک اداسی کا لفظ لکھا  
اسے پتہ تھا کہ رتجکوں کے عذاب کیا ہیں  
اسے پتہ تھا  
رقابتوں کا عذاب ہوگا  
تو رتجکے نوپتے رہیں گے  
اسے پتہ ہے  
کہ میرا اس سے نہ رابطہ ہے  
نہ واسطہ ہے  
تو پھر وہ جانے لگا تھا کل جب  
تو اس کی آنکھوں میں کیوں نمی تھی  
وہ کیوں گلوگیر ہو رہا تھا  
وہ اس کے دل کی  
جو دھڑکنیں تھیں  
وہ اتنا کیوں شور کر رہی تھیں



ابھی سوچوں کا اک اونچا محل تعمیر کرنا ہے  
مرا اک خواب ہے جس کو ابھی تعبیر کرنا ہے  
میں وٹھلی ہاتھ میں لے کر وہاں نیلے میں رہتا ہوں  
میں رانجھا ہو گیا ہوں اور اس کو ہیر کرنا ہے  
سنا ہے پیار کے رستے بڑے نازک سے ہوتے ہیں  
تنبھی اس سوت کے دھاگے کو اب زنجیر کرنا ہے  
اسے یہ زعم تو ہو گا کہ میں اس کا پجاری ہوں  
اسے اب بھول کر میں نے بہت دلگیر کرنا ہے  
بدل سکتا نہیں یوسف میں ہاتھوں کی لکیروں کو  
جو لکھا ہے وہی تو نے میری تقدیر کرنا ہے



مرے کمرے کی چھت میں ایک چڑیا  
بڑی مدت سے شب بھر جاگتی ہے  
مجھے خاموشیاں تنہا ملا ہے  
مرے اندر اداسی ناچتی ہے  
کبھی وحشت ترے گھر میں اتر کر  
کھلے سر رات ساری گھومتی ہے  
سنا بہتی میں ویرانی اگی ہے  
یہاں سہمی سی رونق پوچھتی ہے

وہاں اک جھونپڑی میری بھی ہوگی  
جہاں وحشت سے وحشت بھاگتی ہے  
مری معصوم خواہش دور مجھ سے  
کھڑے ہو کر تماشا دیکھتی ہے  
مری آنکھوں سے دریا ٹوٹتا ہے  
سحر جب آسمان سے پھوٹی ہے  
اداسی کا مرے گھر میں ٹھکانہ  
مجھے صدیوں سے گویا جانتی ہے  
میں لحظہ لحظہ گھٹتا جا رہا ہوں  
مجھے لمحوں کی دیمک چاٹتی ہے

## ﴿اسے تو یہ بھی پتہ نہیں ہے﴾

مجھے رلا کر

اسے خوشی جو ملی ہوئی ہے

وہ عارضی ہے

اسے یہ معلوم کب پڑے گا

نئے تعلق

نئی محبت میں جو نشہ ہے

وہ عارضی ہے

اسے تو یہ بھی پتہ نہیں ہے

کہ اس کے سینے میں

دل کے اندر

جو درد ہوتا ہے

وہ مرا ہے

اسے تو یہ بھی پتہ نہیں ہے

کہ اس کی آنکھوں میں

رتجکوں کے جو زائچے ہیں

وہ سب مرے ہیں

اسے تو یہ بھی پتہ نہیں ہے

کہ اس کی آنکھوں کے گرد یہ جو

سیاہ حلقے بنے ہوئے ہیں

یہ کس کی چاہت کی بولتی سب نشانیاں ہیں

اسے تو یہ بھی پتہ نہیں ہے

وہ خواب میں

کس کو پوچھتا ہے

وہ کس کے سارے خطوں کو پڑھتا ہے چومتا ہے

قریب ہونٹوں کے ایک تصویر

لا کے پہروں وہ سوچتا ہے

جو دیکھتا ہے تو ساری تصویر

بھیگ جاتی ہے آنسوؤں سے

اگر وہ سارے خطوط میرے ہیں

پھر وہ تصویر بھی مری ہے

اسے تو یہ بھی پتہ نہیں ہے

کہ روٹھے کا بھی ایک اپنا الگ مزہ ہے

اسے تو یہ بھی پتہ نہیں ہے

کہ جسم کی دوریاں دلوں کو

قریب لانے کا واسطہ ہیں

اسے اگر یہ پتہ نہیں ہے

تو کوئی جا کر بتائے اس کو

یہ راستے جو نئے بنے ہیں

یہ منزلیں جو نئی چنی ہیں

یہ رابطے جو نئے ہوئے ہیں

یہ سب برے ہیں

کہ پیار وہ ہے

جو پہلے دل میں سما چکا ہے

اگر حقیقت سے ہم نظر نہ چراکیں تو

بات یہ ہے

کہ اس میں ہمت ہے بھولنے کی

نہ دوستو مجھ میں حوصلہ ہے

اس کو دیکھے ہوئے زمانہ ہوا  
 بے سکونی سی جسم و جاں میں ہے  
 دل سے چینی سنائی دیتی ہیں  
 جیسے آسب اس مکاں میں ہے  
 اپنی اپنی پڑی ہے لوگوں کو  
 کون کس کا بھرے جہاں میں ہے  
 کس نے بتلا دیا زلیخا کو  
 اس کا یوسف بھی اب کنعاں میں ہے

پھاگن چیت بہار کی رت ہے  
 اس کے ہار سنگھار کی رت ہے  
 غم کے موسم گھر کو جائیں  
 خوشیوں کی جھنکار کی رت ہے

اتنی دوری ٹھیک نہیں ہے  
 آ! باہوں کے ہار کی رت ہے  
 وہ دن بھی تھے اس کے اپنے  
 یہ بھی اس دلدار کی رت ہے  
 جس کا آنچل وقت کو روکے  
 اس الیلی نار کی رت ہے  
 پک نہ جاؤں تیری خاطر؟  
 پیار کے کاروبار کی رت ہے  
 رونا اور پھر روتے رہنا  
 یہ تیرے بیمار کی رت ہے  
 اپنی زلف سمیٹے رکھنا  
 ناگن کی پھنکار کی رت ہے

آئینے سے دور رہا کر  
 یہ مستی کی، پیار کی رت ہے  
 اور کسی سے پیار نہ کرنا  
 جسموں کے بیوپار کی رت ہے  
 یوسف جی تم بولی دینا  
 مصر کے اس بازار کی رت ہے

## ﴿پاگل لڑکی﴾

میں اس سے انگریزی بولوں

وہ نہ سمجھے

اردو میں بھی بات کروں تو

اس کو بالکل سمجھ نہ آئے

میں یہ چاہوں

ساری باتیں لکھ کر اس کو

خط میں بھیجوں

پھر بھی اپنے آپ سے الجھوں

سرو کے جیسے اونچے قد میں

لمبی لمبی گردن والی

ہونٹ گلابی

نمین نشیلے

گال عنابی

آئینے کے سامنے بیٹھے

اپنے آپ پہ خود مر جائے

یوں کہیے کہ پریوں جیسی

بھولی بھالی سادہ لڑکی

اک عرصے سے

میری آنکھوں کے رستے سے

ٹھہر ٹھہر کر چلتے چلتے

میرے دل میں اتری جائے

دن کا چین تو لٹ ہی گیا تھا

رات کی نیند بھی اڑتی جائے

دل گھبرائے

اب تو کچھ بھی سمجھ نہ آئے

اس نے مجھ کو

مجھ سے کب کا چھوڑ دیا ہے

اب میں ساری باتیں لکھ کر

اس کو خط میں بھیجوں گا

خط کو پا کر جھوم اٹھے گی

اور پھر

اس کو چومے گی

پھر وہ یکدم چونک اٹھے گی

کمرے اندر

دروازے کے پیچھے ہو کر

رودے گی

کیونکہ

وہ ہے

ایک دیہاتی

ان پڑھ جاہل

پاگل لڑکی

بازی جیت کے باری میں نے

رو رو عمر گزاری میں نے

بت خانے میں جا کر گرتے

دیکھے ڈھیر پجاری میں نے



میری آنکھیں چیخ رہی ہیں  
کیسے رات گزاری میں نے

تجھ کو دل میں یار چھپا کر  
بوجھ اٹھایا بھاری میں نے

وہ تو میرا قاتل نکلا  
جس کی زلف سنواری میں نے

وہ یوسف کل مان گیا تھا  
تجھ پہ کی سنگباری میں نے

### ﴿کبھی لوٹنا تو یہ دیکھنا﴾

کبھی لوٹنا تو یہ دیکھنا  
ترے ساتھ گزرے تھے جتنے دن  
ترے سنگ بیتے جتنے پل  
ترا روٹھنا تیرا ماننا

ترا جاگنا تیرا سوچنا

ترے روٹھنے کی نشانیاں

ترے آنسوؤں کی روانیاں

مجھے آج تک بھی یاد ہیں

کبھی لوٹنا تو یہ دیکھنا

میں نے جو بھی لکھے تھے خط تجھے

تو نے کچھ پڑھے کئی ناپڑھے

میں نے تم کو بھیجی تھیں بالیاں

میری جان گجرا اگلوٹھیاں

میں نے بار لے کے دیا تجھے

تو نے وہ بھی واپس کیا مجھے

مجھے آج تک بھی یاد ہے

تم کبھی لوٹنا تو یہ دیکھنا

ترے گھر کے سامنے لان میں

وہ جو پیڑ تھا

اسی پیڑ کی ہری شاخ پر

ترا نام بھی

مرا نام بھی

تیرے ہاتھ سے ہے لکھا ہوا

کبھی لوٹنا تو یہ دیکھنا

مجھے یاد ہے

ترے راستے میں وہ بیٹھنا

تجھے سوچنا

تجھے دیکھنا

ترے گھر سے آتی ہواؤں سے

کبھی اپنے دل کی صداؤں سے

ترا پوچھنا

کبھی ہاتھ پر

ترا نام لکھ کے چومنا

مجھے یاد ہے

کبھی لوٹنا تو یہ دیکھنا

ترے راستے بھی الگ سہی

تری منزلیں بھی جدا سہی

مگر اس طرح کی یہ دوریاں

میری جان میں یہ نہ سہہ سکوں

تیرے بن میں کس طرح رہ سکوں

میری جان مجھ کو یقین ہے

ابھی اس طرح مجھے چھوڑ کر

میری چاہتوں سے منہ موڑ کر

تجھے نیند آئے گی کس طرح

تو پھر آج آ کر میں فیصلہ

تجھے میں منانے کے واسطے

ترے پاس آؤں گا آج ہی

مگر ایک میری بھی شرط ہے

تو نے جب بھی ہے کبھی لوٹنا

تو یہ دیکھنا

مرے پیار کو نہیں رولنا

مرے خط کبھی نہیں پھاڑنا

مجھے جیتنا مجھے ہارنا

میرا حوصلہ نہیں توڑنا

تمہیں لوگ کچھ بھی کہیں مگر

میری جان اب نہیں روٹھنا

میری چاہتیں نہیں بھولنا

پروفیسر چوہدری صفدر علی گوندل مرحوم کے نام

حامل دانش و دیں ، فکر منور صفدر

علم و عرفان کا دریا کہ سمندر صفدر

اس کے اوصاف سبھی شرح و بیاباں سے باہر

عبد حاضر کا کہیں کیوں نہ قلندر صفدر

اس کے افلاس میں بھی شان فنا تھی لوگو

ہم نے ہر حال میں دیکھا ہے تو مگر صفدر

تیرے الفاظ کبھی گوہر تا بندہ ہیں

تیرے اوراق کبھی برگ معطر صفدر

کھل کے روتے ہیں سبھی اہل تعلق خورشید

چھپ کے بیٹھا ہے سب احباب کے اندر صفدر

وہ گیا تو ہے طبیعت میں گرانی شام کو

بھیج دیتا تھا وہ اکثر اک نشانی شام کو

اب تو اس سے رابطہ بھی غیر ممکن ہو گیا

وہ جو کرتا تھا ہمیشہ مہمانی شام کو

جب بھی سرخی دیکھتا ہوں آسماں پر دور تک  
آنسوؤں میں آہی جاتی ہے روانی شام کو

ہم تو رسوا ہو گئے پر پیار تو زندہ رہا  
لوگ چوپالوں پہ کرتے ہیں کہانی شام کو

جس ندی پہ بیٹھتے تھے ہم اکیلے دیر تک  
اب بھی جا کر پوچھتا ہوں اس کا پانی شام کو

وہ اچانک جب ہوا تھا اس سے پہلا رابطہ  
اب بھی یوسف ڈھونڈتا ہوں اس سہانی شام کو



سات پردوں میں چھپا کر دیکھنا  
یا اسے گھر پر بلا کر دیکھنا

آج تک رسوائیوں کا خوف تھا  
آج دنیا کو دکھا کر دیکھنا

شام ڈھل جائے تو تنہا بیٹھ کر  
نام لکھنا پھر مٹا کر دیکھنا

وہ گھڑی بھی جان لیوا ہو گئی  
اس کا یوں پلکیں اٹھا کر دیکھنا

کس طرح پھر رقص کرتی ہے ہوا  
ہاتھ ہاتھوں میں تھما کر دیکھنا

خط کا واپس بھیج دینا اور ہے  
باقی ماندہ کو جلا کر دیکھنا

روٹھنا تو پیار ہی کا جزو ہے  
تم مجھے دل سے بھلا کر دیکھنا

میں ہوں تیری آنکھ میں ٹھہرا ہوا  
رات کو آنسو بہا کر دیکھنا

و ليعرج أليفهم ولا يورثايبهم ولا يورث